فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد ۲۴

محرم الحرام ۱۴۰۹ھ تا صفر ۱۴۱۰ھ ——— اکتوبر ۱۹۸۸ء تا ستمبر ۱۹۸۹ء

مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ واران صفحات کے حوالے سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوتے ہیں یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لی جائے ۔ (سمیع الحق)

نقش آغاز اداریہ مدیر الحق

قرآنیات اور احادیث نبویؐ

دعوات عبدیت حق افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

اسلامی نظام حکومت، قوانین فقہ اسلامی، دین و سیاست

علم و عمل نصاب و نظام تعلیم — تعلیمی ادارے — علماء مدارس عربیہ

تصوف و سلوک

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، سانحہ ارتحال، تذکرہ و سوانح، ہمہ گیر سوگ اور عالمی تعزیت

تعارف و تردید فرق باطلہ — قادیانیت، شیعیت، آغانیت وغیرہ

بحث و تحقیق، سائنس اور معاشیات

اسلامی تہذیب و تمدن میں عورت کا مقام

عالم اسلام، جہاد افغانستان، مسائل و مشکلات

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۴
شمارہ ۱۲

صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
ستمبر ۱۹۸۹ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون : عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم : شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک [illegible] پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- شراب و قمار، بیور ریفل ٹکٹ یا جوئے کا گرم بازار
- قومی زندگی کا تشویشناک مرحلہ
- حکومت کی پالیسی ترجیحات یا حرص و آز کی قحبہ گری
- اربابِ اختیار کے خطرناک عزائم اور اہلِ وطن کی ذمہ داریاں
- جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ

قومی زندگی کا تشویشناک مرحلہ

مرض خواہ بظاہر کتنا ہی معمولی ہو مگر نتائج کے اعتبار سے اس وقت انتہائی پریشان کن صورت اختیار کر لیتا ہے جب مریض کے اندر اپنی علالت کا احساس ختم ہو جائے اور وہ مرض کو سمجھتے ہوئے اس پر ذہنی اعتبار سے اطمینان کا اظہار کرنے لگے۔ یہ بات جس قدر جسمانی امراض کے بارے میں صحیح ہے اسی قدر افراد اور قوموں کے روحانی اور اخلاقی عوارض کے بارے میں بھی درست ہے کسی اخلاقی انحطاط کے شکار فرد اور رو بہ زوال قوم کی زندگی اس وقت تشویشناک مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے جب فرد اور قوم کے دل میں احساسِ زیاں کی چنگاری بجھ جائے اور انحطاط و زوال پر کرب و اضطراب کی ٹیس محسوس کرنے کے بجائے قلب و دماغ کی آسودگی تلاش کرنے لگیں یہ کیفیت اس امر کی واضح شہادت مہیا کرتی ہے کہ اس فرد اور قوم میں اصلاحِ احوال کی کوئی امنگ اور ولولہ باقی نہیں رہا اور اپنی بربادی کو اپنا مقدر سمجھ کر اس کے ساتھ ذہنی مناسبت پیدا کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ بات اگرچہ بڑی تکلیف دہ ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم اہلِ پاکستان بحیثیتِ قوم مرض کے اس تشویشناک مرحلے سے گذر رہے ہیں جس میں ہم انحطاط اور بربادی کے ساتھ ذہنی مناسبت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے مختلف حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ملک میں قانونی ممانعت کے باوجود قومی پریس میں قطعی دستاویزی شہادتوں کے ساتھ یہ خبر چھپ چکی ہے کہ وزیراعظم کی کراچی میں ذاتی رہائش گاہ بلاول ہاؤس کو دبئی سے بڑے پیمانے پر شراب اسمگلنگ کی جا رہی ہے اور گذشتہ ہفتہ یہ خبر بھی تمام اخبارات میں چھپ چکی ہے کہ سندھ حکومت نے مزید تین شراب خانے قائم کرنے کے لائسنس بھی جاری کر دیے ہیں۔

دوسرا یہ کہ ملک بھر میں تقریباً ڈھائی تین ماہ سے تمام ذرائع ابلاغ اور قومی اخبارات میں جوابازی کی

"تازہ ترین نئی سکیم سبو ریفل ٹکٹ کے خوشنما دلاویز بڑی سائز کے جاذب نظر، جو انگیز اشتہارات اور اعلانا اولین صفحات اور اہم ترین نشریات کے طور پر شائع کئے جارہے ہیں۔ مگر ذمہ داران قوم اور عوامی سطح پر ردّ عمل اور بطور احتجاج کے بھی اب تک کوئی طاقت ور اور موثر آواز سننے میں نہیں آئی مسلم سوسائٹی اور اسلامی ریاست میں شراب کا کاروبار اور جوئے کا بازار گرم ہو اور معاشرہ کے مختلف طبقات اس ناخوب کو بھی بتدریج خوب سمجھ کر اس لئے آرام سے بیٹھ جائیں کہ فضا مکدر رہے آواز اٹھائیں گے تو لوگ خندۂ استہزا بنائیں گے۔ اور اس سے تو جمہوریت کی گاڑی کا بھی پٹڑی سے اتر جانے کا امکان ہے تو قومی زوال اور انحطاط و ادبار اپنے وقت سے پہلے بلائیں لینا شروع کر دیتا ہے ؎

اگر بہارِ چمن تم اسی کو کہتے ہو
تو اس طرح کی بہارِ چمن سے کیا ہوگا

خمر و میسر کی حرمت و مضرت اور جوئے کی جدید ترین سکیموں کا شرعی حکم

شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں بلکہ عین اس تہذیب کا جز بنے ہوئے ہیں اور دلیلِ عزت و شرافت ہیں اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جز تھے۔ اور لوازم شائستگی سمجھے جاتے تھے اکیلے عرب ہی نہیں یہ شعلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک ان کی روک تھام نہ کر سکی تھیں شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ قانون ہے جس نے آکر ان کی قطعی حرمت کا اعلان کر دیا۔ اور پھر اسلامی ریاست خدا کی دھرتی پر رشکِ فردوس اور گہوارۂ امن بن گئی۔

قرآن حکیم نے فیھما اثم کبیر (کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے) کا واضح اعلان کیا ہے اثم کا لفظ ہر ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) اثم کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے پھر یہاں پر تو اس کی تاکید بھی کبیر کے ساتھ موجود ہے۔

معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات شراب اور قمار سے پیدا ہو چکے ہیں اظہر من الشمس ہیں گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے حرام کاری کی طرف یہ لائے بلوے دنگے یہ کرادے چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کر دے قتل کی نوبت یہ لے آئے عبادت، طہارت اور پاکیزہ ملنشی سے یہ روک دے اور اسراف تو اس کے لئے کوئی بات ہی نہیں۔ قرآن حکیم میں خمر کی طرح "میسر" بھی اپنے وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے اور جوئے کی تمام اقسام پر شامل ہے۔ کل شیئ فیہ

قمار فهو من میسر (ناج) اس لغوی مفہوم پر صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور جمیع مفسرینؒ نے مہر تصدیق ثبت کی ہے سپورٹ ریفل ٹکٹ بھی تو اسی "میسر" سکیم کا ایک حصہ ہے۔ محض قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانے مونٹے کارلو میں ہر سال کتنی بے شمار دولت تلف ہوتی ہے جوئے کی جدید ترین شکلوں بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھڑ دوڑ کے جوئے، لاٹریوں کے جوئے، سٹہ بازی کے جوئے اور اب سپورٹ ریفل ٹکٹ کے نام سے تازہ ترین جوا سکیم، غرض کوئی کہاں تک شمار کرے۔

امام راغبؒ نے مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی کہ شراب و قمار ان دونوں مشغلوں کے اندر نیکیوں سے بڑی رکاوٹ ہے فی تناولهما ابطاء عن الخیرات (راغب) یہ بجا ہے کہ جوئے میں جو جیتتا ہے اسے بلا مشقت و تعب تھوڑی ہی دیر میں آمدنی ہو جاتی ہے۔ مگر دینی و روحانی مضرت، قومی انحطاط ملی زوال، اخلاقی انارکی اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے غضب و لعنت کا استحقاق بھی تو مقدر بن جاتا ہے۔ یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدود مملکت سے کہنا چاہیئے کہ ان خبائث (جوا اور شراب) کا خاتمہ ہی کر دیا اور افراد و اشخاص کی کارستانیوں سے قطع نظر امت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ "شرابی" اور لفظ "جواری" دونوں کو انتہائی تحقیر و ذلت کا لقب ٹھہرا دیا اور یہ خالص دین اسلام ہی کا معجزہ ہے کہ اس نے اپنے پیرووں کو جہاں تک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے پاکیزگی اور ستھرائی کے اس بلند مقام تک پہنچا دیا جہاں تک باوجود علم و فضل اور فہم و دانش کے بلند بانگ دعاوی کے آج تک نہ تو اقوام متحدہ کا کوئی ادارہ یا اعتدال و احتیاط کی تبلیغ کرنے والی کوئی بین الاقوامی انجمن پہنچا سکی ہے اور نہ کوئی گورنمنٹ اور نہ کسی بھی گورنمنٹ کا قانون امتناع جاری کرنے والا کوئی ادارہ۔

قمار بازی کے باب میں قانون اسلام سے باغی و منحرف ہو کر یورپ نے اپنے ہاتھوں سے جو اپنا حال تباہ کیا وہ عالم آشکارا ہے جہاں خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات مے نوشی اور قمار بازی کا نتیجہ ہوتے ہیں پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے قبل، اکیلے ملک انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہے (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۶ صہ ۱۶۴) یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک اور ایک چھوٹے سے رقبے متعلق تھا اور وہ بھی پہلی جنگ عظیم سے قبل کا، یورپ کے کل ملکوں اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لئے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے

حکومت کے خطرناک پالیسی ترجیحات

اس قدر واضح اور بیّن حقائق کے باوجود ارباب بست وکشاد جمیت اہل وطن کو خمر ومیسر کی دلدادگی اور وارفتگی اور بنت عنب وقمار کی دیوی کی بھینٹ چڑہانے کی ادھار کھائے بیٹھے ہیں او راب کے نئے انقلابیوں نے تو قوم اور تمام اہل وطن کو رجلیت اور مردانگی سے غیر مسلح کر کے عیاشی اور بے کار رہنا کرناچ ورنگ اور ساز و آہنگ میں لگا دینے کی پالیسی کو ترجیحی طور پر اپنا لیا ہے۔ مغربیت اور فیشن پرستی کو ذرائع ابلاغ میں اس قدر فروغ حاصل ہوگیا ہے کہ نوجوان ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں باہم رقابت اور حسد کرنے لگے ہیں اور اس سب کچھ کا بنیادی سبب یہی ہے کہ مردوں کو نامرد عورتوں کو بے پرد، بہادروں کو بزدل، غیرت مندوں کو حمیت سے عاری اور حیا داروں کو حیا سے خالی کر دیا جائے یہ ساری مہم ثقافت، قومی خدمت، غریبوں سے ہمدردی اور فلاح کے نام پر چلائی جارہی ہے۔ کراچی میں تین شراب خانوں کے لائسنس، انعامی بانڈز اور اب سیور ریفل ٹکٹ بھی اسی شجرہ خبیثہ کے زہریلے برگ وبار ہیں۔

اسلامی فکر اور اخلاقی اقدار کو مسمار کرنے کے لئے لادینی فحش لٹریچر، عریاں تصاویر، ننگے مضامین ڈرامے بکثرت نشر کرا کے ارتداد، اشتراکی ثقافت، دھریت، مادیت جوا بازی اور حرص ولالچ کے جراثیم پھیلائے جا رہے ہیں تاکہ مسلمان اسلامی عقائد واخلاق سے منحرف ہو جائیں اسی غرض کے پیش نظر سیور ریفل ٹکٹ کی صورت میں تخیلاتی مادی ترقی کی دوڑ میں قوم کو مبتلا کر کے اسلامی تہذیب وتمدن، اسلامی اخلاق واعمال، اسلامی فکر ونظر، صبر وتوکل اور تقوی وقناعت سے بلطائف الحیل متنفر کر کے انہیں مغربی تہذیب، حرص وآز، لالچ ومادیت اور جوا بازی کے دلدل میں آسانی سے پھنسایا جارہا ہے۔

اہل وطن کو انحطاط، اخلاقی انارکی، قومی ادبار، شراب وجوابازی اور مادیت میں رقابت ومسابقت کی بدترین ہلاکت وتباہی سے دوچار کرنے میں وہی قوتیں مصروف عمل ہیں جو سیاسی اعتبار سے قومی پالیسی اور اختیار کے اعتبار سے حکومتی مشینری کے مالک ہیں اور یہ سب کچھ علم وارتقاء، جمہوریت کے فروغ، آزادی، تہذیب تمدن، جمہوری انقلاب، قومی خدمت اور روشن خیالی کے نام پر ہو رہا ہے اور وہ عالمی قزاق کر رہے ہیں جو اب تیز رفتاری سے اخلاقی قزاقی کی دوڑ میں بھی سب سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں ؎

وہ تیرا التفات ہو یا تیرا وعدۂ کرم ہو
وہ ستم کا پیش خیمہ، یہ جفا کی پیش بندی

شراب اور جوا بازی کی سرپرستی یا حرص و آز کی قحبہ گری

آخر، قومی پالیسی کے اربابِ بست و کشاد جوابازی اور اخلاق باختگی کی فضا پیدا کرکے اہلِ وطن سے ملک کی نظریاتی اساس، عظمتِ اسلام، اخلاقی اقدار کی رفعت اور چادرِ عفت و حیا سلب کرنے کے درپے کیوں ہیں؟ شربِ خمر، جوابازی اور حرص و آز کی قحبہ گری کو کیوں فروغ دیا جارہا ہے؟ یہ اس لئے کہ حکمرانوں کے گریبانوں میں پڑنے والے نسلِ نو کے طاقت ور ہاتھ شل ہوجائیں اور اسلامی انقلاب کی تلوار چلانے کے بجائے جوئے کی مسابقت اور دوشیزاؤں کی آبرو اور عفت کے لوٹنے میں مصروف کار رہیں — اس کی اصل وجہ قوم کی یہ بدقسمتی ہے کہ زمامِ اقتدار ہی ان لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے جن کی روح ثقافت زدہ جن کے نفس خمر و میسر اور حرص و آز کے زہر سے مسموم ہوچکے ہیں اور اب یہ تصور کہ ان کے عہدِ اقتدار میں ابلیسی ثقافت، ارتدادی معاشرت، سیاسی منافقت جوابازی، اخلاق باختگی اور حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر مادی ترقی میں مسابقت کے طوفان اور تباہ کن سیاہ سیلاب کے سامنے کوئی بند باندھا جائے گا ایسا ہی ہے جیسے کیکر کے درخت سے انگور کے پھل کی توقع کی جائے جب تک یہ اقتدار رہے گا اس کے مذکورہ تلخ اور زہر آلود ثمرات پھیلتے اور پھولتے ہی رہیں گے اگر خیر کی توقع کی جاسکتی ہے اور اصلاحِ احوال مطلوب ہی ہے تو انقلاب اور اسلامی انقلاب کی جانب قدم بڑھانے ہوں گے ؎

نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

دستورِ نیا اور نئے دور کا آغاز

اس وقت اسلامیانِ پاکستان ایک نازک ترین دور سے گذر رہے ہیں ہر طرف سے ان کے تدین، ان کے مذہبی تصلب اور ان کے ایمان و اسلام کے خلاف یلغار جاری ہے نت نئی پالیسیاں اور سازشیں ہو رہی ہیں کئی قسم کے زہر پھیلائے جارہے ہیں طرح طرح کے فتنے جگائے جارہے ہیں کچھ لوگ اسلام سے باہر رہ کر اس سے برسرِ پیکار ہیں اور کچھ بدقسمتی سے اس کے اندر رہ کر لادینی قوتوں کا آلۂ کار بن کر تخریب کاری میں مصروف ہیں۔ آرٹ کونسلوں ثقافتی اداروں، سیور ریفل ٹکٹ کے ذمہ داروں، لادین سیاست دانوں، تحریکِ آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں نے اس کے خلاف مورچے قائم کر رکھے ہیں اور اب اخبارات میں مادر پدر آزاد مضامین، عریاں تصاویر اور سیور ریفل ٹکٹ کے بڑے بڑے خوشنما اشتہارات نسلِ نو کو اسلامی تعلیم و اخلاق سے منحرف کرنے میں مرکزی اور مؤثر ادارہ بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہودی سازشی ذہن نے نو تعلیم گاہوں سمیت تمام سرکاری اداروں اور ذرائع

ابلاغ کے اندر گھس کر کمین گاہیں بنا رکھی ہیں۔

اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں اب کے جمہوری انقلاب نے حرص و آز، شراب وجوا بازی اور اخلاقی انارکی کے لادینی سرطان کو وسیع اور عمومی سطح پر پھیلانے کا قطعی عزم کر رکھا ہے جس سے وہ اہل وطن، بالخصوص نسل نو کے اخلاقی، تعلیمی اور خالص مذہبی اور دینی مستقبل کو مخدوش بنانا چاہتے ہیں۔ شراب کی آزادی اور سپورٹس ریفل ٹکٹ کے اجراء جیسے مذموم اقدامات اسی کا پیش خیمہ ہیں ع

دستور نیا اور نئے دور کا آغاز

ایسی صورت حال کے پیش نظر یہی وقت جہاد ہے اور یہی وقت انقلاب ہے۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھروں، اپنے محلوں، اپنی سوسائٹی، اپنے ماحول اور اپنے ملک و وطن کا جائزہ لے اور بہ دیکھے۔ کہیں اس کے نونہال کو خمر و قمار، ثقافت وارتداد، جوا بازی، سود خوری اور سپورٹس ریفل ٹکٹ کے نام سے مادیت پرستی اور اخلاقی انارکی کے ٹیکے تو نہیں لگائے جا رہے ؟

ان میں معصیت و بغاوت اور بے حیائی و ثقافت کے جرائم تو نہیں پھیلائے جا رہے یا وہ آزاد تہذیب مغربی ثقافت اور لادینیت کا شکار تو نہیں ہو چکے، جب تک قوم و ملت کے افراد اور نسل نو کی ذہنی تطہیر نہیں ہوگی ملک کا مستقبل اور اخلاق و شرافت کا تحفظ ہمیشہ خطرہ میں رہے گا ۔

یہی انداز مے نوشی رہے گا
تو یہ شیشے نہ پیمانے رہیں گے

ارباب اختیار کے خطرناک عزائم اور اہل وطن کی ذمہ داریاں

ایسے حالات میں اہل وطن کو اجتماعی طور پر یہ سوچنا ہوگا کہ ہماری ملکی سطح کی سیاست، ہماری مساعی و تبلیغ ہمارے مدارس و تعلیم ہماری جماعت سازی و تنظیم، ہماری معاشرت و تہذیب اور ہمارے اعمال و کردار کا ہدف کیا ہونا چاہئے۔ کیا پاکستان میں جمہوریت کی بحالی، اور آزادی کے حصول کی غرض شرب خمر اور فروغ میسر تھا؟ کیا قیام پاکستان، اس کی تعمیر و ترقی اور استحکام مسلمان اس لئے چاہتے تھے کہ یہاں ناچ اور گانے کی آزادی، شراب پینے اور جوا کھیلنے کی آزادی، عریانی اور فحاشی کی آزادی اور بے شرمی و بے حیائی کی آزادی ہو گی ؟

ان چیزوں میں وہ کونسی چیز تھی اور وہ کونسی آزادی تھی جو انگریز کے دور میں ہمیں حاصل نہ تھی ہمیں ناچ گانے جوئے اور شراب اور زنا کاری سے منع کرنے والا کون تھا ہم نے پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ یہاں شراب اور جوئے کی اجازت کے قوانین بنائیں۔ سپورٹس ریفل ٹکٹ جوا سکیم اور غیر اسلامی قوانین چلائیں یا الحاد اور دہریت

کی نظریات والی قوتوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار دے کر پوری دنیا میں ہزیمت و رسوائی کے عنوان سے شہرت حاصل کریں بلکہ مقصد یہ تھا کہ اسلامی قوانین کی ترویج، نظام شریعت کی تنفیذ، اسلامی اقدار کا احیاء، نبویؐ تعلیمات کا فروغ، محمدیؐ تہذیب کی بالادستی اور قرآنی تعلیم کی تدریس اور اشاعت عام ہوگی۔ مگر یہاں کی صورت حال تو کچھ ایسی ہی ہے کہ ؂

چمن میں لائے تھے دامانِ آرزو لے کر
چمن سے لے کے گریبانِ تار تار چلے

یا

بہار میں بھی گلستان کا کیا کہوں احوال
ہیں اتنے کانٹے کہ دامن بچانا مشکل ہے

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ

جو آزادی اور جمہوریت کی جو بحالی مسلمان قوم میں اسلامی اقدار، اسلامی تہذیب اور اسلامی زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی اس جمہوریت اور اس آزادی کی حفاظت مسلمان کبھی نہیں کر سکتا دنیا کی کوئی دوسری قوم کسی دوسری چیز کے بل بوتے پر اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے لڑ سکتی ہے لیکن مسلمان اگر جان دے سکتا ہے تو صرف ایمان اور اسلام کے لئے۔ وہ جس ایمان کو عزیز رکھتا ہے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ اسے سر بکف بنا سکتا ہے لیکن جب سرے سے اس کے ایمان ہی کی جان نکال دی جائے تو اس کے بعد وہ محرک کیا رہ جاتا ہے جس کے لئے وہ جان دے گا۔ بہر حال ہمارا کل بھی دوستوں سے یہی مشورہ تھا اور آج بھی یہی گذارش ہے کہ یہاں ملک میں ایسا انقلاب اور ایسی جمہوریت کی بحالی ہرگز زیب نہیں دیتی جس میں ہماری مسلم شناخت ہی گم ہو جائے اور ملک کی نظریاتی اساس پر تیشہ چلا دیا جائے اور عملاً جوئے اور شراب کا بازار گرم کر دیا جائے جس جمہوریت اور جس انقلاب اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت اور اس کی عملی ترجیحات ملک کے اساسی نظریات کے تابع نہیں ہوں گے اور مسلمانوں پر سیکولر جمہوریت مسلط کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اسلامی اور اخلاقی نقطہ نظر سے ایسی جمہوریت کے خلاف مسلمانوں پر خروج اور جہاد بھی لازمی ہو جائے گا۔

جہاں اگرچہ دگرگوں قم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قم باذن اللہ

(عبدالقیوم حقانی)

ارشادات :- شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ

ضبط :- مولانا قاری عمر علی حقانی ؒ

افادات وملفوظات

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تواضع حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا :-

امام صاحبؒ کی طرح ایک واقعہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے بھی پیش آیا کہ ایک شخص نے ان کو تقریر کے دوران ایسے گستاخانہ الفاظ سے پکارا - اے ابن الزانیہ - مگر حضرت نے نہایت تحمل اور تواضع سے جواب دیا کہ بھائی میرے والد صاحب کے نکاح کے جو گواہ تھے وہ اب بھی زندہ ہیں اور اس محفل میں موجود ہیں ان سے پوچھ لو کہ میرے والد محترم نے بغیر نکاح کے میری والدہ محترمہ کو رکھا تھا یا نکاح کے ساتھ - اس تواضع اور برداشت پر وہ شخص اپنی سخت گوئی اور گستاخی پر شرمندہ ہو کر تائب ہوا اور معافی مانگ لی۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا علماء اور فضلاء کے لئے تواضع تحمل بہت ضروری ہے جب اپنے علاقوں میں جاؤ تو وہاں کے علماء اور بڑوں کی بہت ہی عزت و مدارات کرو۔ ان سے وابستہ رہو اُن کی جوتیاں سیدھی کرو اختلافی مسائل بالکل ابتداء میں نہ بیان کرو۔ جو بھی کسی بات پر سخت الفاظ کہہ دے جواب نہ دو، اگر جواب دینا ضروری ہو تو نہایت لطیفانہ لہجہ میں تحمّل سے۔ پھر تین چار سال گذرنے کے بعد جب علماء کرام اور دیگر عوام کو تمہاری خوش اخلاقی، صداقت اور حقانیت معلوم ہو جائے گی تو پھر جو مسئلہ بھی سامنے کرو گے وہ ماننے کو تیار رہوں گے اللہ تعالیٰ علماء مخلصین کو خاص طور پر بغیر حساب و مشقت کے رزق پہنچاتا ہے - اتمام حجت کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔

دعا کی فضیلت واہمیت ارشاد فرمایا :-

جس دعا میں عمومیت ہو گی وہ بہت مستجاب ہو گی۔ دعا رد نہیں ہوتی۔ شیطان جو کہ سب کے نظروں میں گمراہ ملعون ہے اس نے بھی اپنی غلطی کے وقت بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ - اللہ تعالیٰ نے اس ملعون کی دعا کو بھی مسترد نہیں کیا۔ چہ جائے کہ ایک کلمہ گو مسلمان اپنے گناہوں سے تائب ہو کر طلب عفو کی دعا کرے تو ضرور قبول ہو گی جب کہ اس کریم ذات کا ارشاد ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ تم مانگو مجھ سے میں اللہ قبول کروں گا۔

بے پناہ صبر و تحمل

۳ رجب ۱۴۰۱ھ (غالباً) بروز جمعہ بعد نماز مغرب حضرت مولانا صاحبؒ کی مسجد میں محلہ کے بعض بچوں نے بہت شور مچایا جس سے نمازیوں کو بہت تکلیف پہنچی۔ جس پر بندہ نے بچوں کو سختی سے تنبیہ کی اور مسجد میں شور مچانے سے منع کیا۔ اس پر محلے کا ایک شخص غصہ ہو کر آیا اور ہم طلباء کو گالی گلوچ دیں جبکہ حضرت مولانا صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آواز سن کر حضرت کو بھی سخت تکلیف پہنچی مگر خاموشی کی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔

جب دوسرے دن عصر کو نماز کے لئے تشریف لائے تو ہم طلبہ سے ارشاد فرمایا۔ کل بہت دکھ پہنچا جس پر بے آرامی ہوئی۔ تم پریشان مت ہونا۔ صبر و تحمل سے رہنا۔ اللہ پاک تمہیں اجر دے گا۔ نبی علیہ السلام کو جب سخت سے سخت تکلیف پہنچتی کسی کی طرف سے تو نہایت صبر سے فرماتے:۔

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" حضرت مولانا صاحب کی اس روحانی پدرانہ شفقت اور حوصلہ افزائی سے ہمارے دل کو سکون ہوا اور دکھ جاتا رہا۔ اسی وقت دل رنجشوں سے دھل گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اس بے انتہا شفقت کا بہترین صلہ دے۔

طلبہ کا ذوق علم اور اساتذہ کی شفقتیں

زروبی، ضلع صوابی کے ایک فاضل نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھائی نماز کے بعد بغرض دعا حضرتؒ سے ملاقات کی اور تعارف کرایا۔ دریافت فرمایا یہاں ہمارے ہاں پڑھتے ہیں۔ بندہ نے عرض کیا جی ہاں۔ تو ارشاد فرمایا۔ زروبی کے طلبہ بہت ذہین ہوتے ہیں۔ حضرت، مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کے والد بزرگوار بہت نامور محقق عالم تھے۔ ایک مرتبہ بہت زیادہ اسباق پڑھانے سے تھک گئے تو طلبہ سے اپنے کو آرام کے لئے چھپا لیا (جنگل میں تنہائی کے لئے گئے) مگر ایک طالب علم تلاش کرتے کرتے ان تک پہنچ گیا اور کہا استاد محترم کتاب ساتھ لایا ہوں سبق پڑھائیں۔

حضرت مولانا نے فرمایا۔ بھائی اس غرض سے تو یکسوئی اختیار کی کہ ذرا آرام کر لوں۔ چلو تم آگئے تو سبق پڑھا دوں گا۔ مگر کسی کو یہ جگہ بتانا نہیں۔ کچھ دیر کے بعد اور طلبہ بھی پہنچے اور کتابیں ساتھ لائے کہ حضرت پڑھائیں۔ تو وہاں بھی پڑھاتے رہے (یہ ان کی سخاوت تھی اور قبولیت عند اللہ۔ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا)

زمانہ طالب علمی میں مستقبل کی فکر

طلبہ کرام سے بطور نصیحت ارشاد فرمایا۔ وقت کا زیادہ احساس کرو یا تو انسان گھر سے نکلے نہیں اپنا حلال کسب اختیار کرے۔ مزدوری، دکانداری، زمینداری کرے لیکن جب گھر کو، والدین کو، بہن بھائیوں کو اہل وطن کو چھوڑ کر دینی تعلیم کے حصول کے لئے نکل گئے تو اب اپنے نیک مقصد میں پیچھے نہ رہیں۔ اچھا نہیں کہ کوئی طالب علم کتاب میں کسی ایک جگہ پر نہ سمجھ سکے اس جگہ کو ایسا ہی چھوڑ دے اور کہہ دے کہ بھائی مجھ سے تو کوئی ترمذی شریف۔ بخاری شریف۔ قاضی حمد اللہ تو نہیں پڑھے گا [illegible] تکلیف

اٹھاؤں۔ فارغ ہو کر کسی ملازمت یا اور پیشہ کو اختیار کروں گا یا زیادہ سے زیادہ خطابت یا امامت کروں گا۔ پھر اتنی تکلیف کیوں کروں۔ پسینہ کیوں بہاؤں، یہ بہت بڑا حربہ، دھوکہ ہے شیطان کا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جس جگہ سے کتاب سمجھ میں نہ آئے یار بار اپنے استاد محترم سے پوچھیں یہی وقت ہے۔ تدریس کے وقت معلوم ہو گا کہ جو اسباق تکرار کئے ہوں گے بار بار دہرائے ہوں گے تو اس میں معمولی مطالعہ سے مقصد سمجھ سکو گے اور جو جگہ رہ گئی تو وہاں بہت پریشانی، دقت اٹھانا ہو گی۔ مکھی کی طرح ہاتھ ملنا ہو گا مگر ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

تنبیہ۔ آج کل یہ غفلت اور مرض بہت زیادہ ہے جس کا نقصان ظاہر ہے کہ سینکڑوں افراد میں دو تین صحیح صلاحیت اور استعداد والے ہوتے ہیں۔

دارالعلوم کی سند اور حضرتؒ کا حزم و احتیاط

۸ رجب ۱۴۰۱ھ مغرب کی نماز کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس تین مہمان پنجاب سے ملاقات کے لئے آئے ان میں سے ایک دینی تعلیم یافتہ تھا۔ اس نے حضرتؒ سے کہا کہ حکومت کے گھر میں میری بہترین ملازمت ہے مستقل ہونے کے لئے مجھے حکم ہوا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کی سند فراغت لاؤ گے تو اپنی نوکری میں مستقل اور برقرار رہو گے۔ ورنہ ملازمت ختم ہو جائے گی۔

اس مہمان نے مزید کہا کہ حضرت میرے والد نہیں۔ والدہ، برادران اور بچے نہایت غریب اور بے آسرا ہیں۔ اس ملازمت کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں لہذا آپ مجھ سے امتحان جیسے بھی لینا چاہیں جس کتاب میں لیں اپنا اطمینان کر لیں۔ مجھے اپنے مدرسہ کی سند عنایت فرمائیں۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا۔ اب تو یہ سال ختم ہونے والا ہے۔ امتحان کے دن ہیں۔ ہمارے مدرسہ دارالعلوم حقانیہ کی سند اس شخص کو ملے گی جو کم از کم ایک سال یہاں رہے اور دورۂ حدیث پاک پڑھے۔ تینوں امتحانات میں شریک ہو۔ پھر نتیجہ کو دیکھا جائے گا پاس ہو گا تو سند دی جائے گی ورنہ مستحق نہیں ہو گا۔

وہ مہمان بہت فریاد اور اصرار کرتا رہا کہ ایک سال گذارنے کا وقت نہیں جس طرح ہو امتحان لے کر اپنی تسلی کریں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ہم مدرسہ کی سند طلبہ کو صرف قابلیت کی نہیں دیتے بلکہ اس بات پر سند دیتے ہیں کہ اس طالب علم نے مدرسہ میں ہمارے ہاں دورۂ حدیث پڑھا ہے۔ وقت گزارا ہے۔ اس کے اخلاق کو اس کے اٹھنے بیٹھنے کو دیکھا جاتا ہے۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ اگر خود مجھ کو حقانیہ کے سند کی ضرورت ہو جائے (بطور مثال کے) تو میں یہ حق نہیں رکھتا کہ اپنے کو سند دے دوں۔ کیونکہ میں نے کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھی ہیں تعلیمی وقت وہاں گذارا ہے۔ یہاں حقانیہ میں میں نے تعلیم حاصل کی نہیں اور نہ ہی میں اساتذہ کے سامنے یہاں روزانہ بیٹھا ہوں تو سند کس چیز کی لوں۔ مزید برآں فرمایا کہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے قریبی مہربان بزرگ اور مشفق تھے۔ دونوں حضرات ایک دفعہ چند متعلقین دوستوں کے ہمراہ حقانیہ تشریف لائے اور فرمایا کہ ان دوستوں میں سے ایک دوست کو حقانیہ کے سند کی ضرورت ہے۔ ہم کو بہت منت سماجت اور سختی سے لائے ہیں۔ کہ سند ملنے کی سفارش کر دیں۔ اب آپ کو اختیار ہے۔

حضرت مولانا صاحب نے فرمایا۔ حضرات آپ ہر دو حقانیہ کے سرپرست اور بانی ہیں۔ آپ کا مدرسہ ہے اگر آج ایک سند استحقاق کے بغیر دی جائے تو مدرسہ بدنام ہو جائے گا اور سارے خدمات ضائع ہو جائیں گے۔ دین کا چشمہ بے اعتماد ہو جائے گا۔ حاضرین سے فرمانے لگے اب آپ فرمائیں اس دینی مدرسہ کی بدنامی اور نقصان کو کون برداشت کر سکتا ہے؟

وہ عرض کرنے لگے حضرت آپ جو فرما رہے ہیں یہ حقیقت ہے ایسی ہی سختی ہونی چاہئے۔

حضرت مولانا صاحب نے اس مہمان سے فرمایا کہ جب اتنے مہربان بزرگ حضرات کے دوستوں کو سند نہیں دی تو آپ ناراض نہ ہوں۔ آج اگر حکومت کے ہاں دار العلوم حقانیہ کے سند معتبر و مستند ہے تو اس وجہ سے کہ اصول اور قانون کے تحت کام ہو رہا ہے بے جا سندیں نہیں دی جاتیں۔

اس ایک واقعہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی امانت، صداقت، حق گوئی اور دیانت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب
استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ

سیور ریفل ٹکٹ کی شرعی حیثیت

دینی مضرت اور قومی زوال کا ایک اور مرحلہ

دو تین ماہ سے "سیور ریفل ٹکٹ" کے نام سے مختلف اشتہارات رسائل اور اخبارات میں دیکھے جا رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی۔وی کے ذریعہ اشتہارات پر بھی لاکھوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ بغیر کسی خوف و خطر اور اندیشہ لومۃ لائم کے قوم کو اس میں شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے متعدد اشتہاری کمپنیاں حرکت میں آ گئی ہیں۔ دن بدن اس مذموم کاروبار میں ترقی ہو رہی ہے۔ تشویق و ترغیب کے لئے ہر پہلے انعام سے آئندہ دینے والا انعام چند گنا بڑا رکھا جاتا ہے۔ مادہ پرستی اور بسیار خوری کی یہ عادت انسان کی فطرت میں بیٹھی ہوئی ہے اس لئے بغیر کسی تحقیق کے لوگ اس کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں۔ یوں بڑے دلفریب طریقہ سے پوری قوم جوا کھیلنے کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ مرد و عورت، جوان و بوڑھے غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا ہر ایک فرد قسمت آزمائی کے اس دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ قوم کی یہ زبوں حالی ان چند سطور لکھنے کا محرک اور سبب ہے۔

جوا کی مختلف صورتیں معاشرہ میں جوا ایک جرم سمجھا جاتا ہے ملکی قانون میں بھی جوا کھیلنا قابل مواخذہ جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں اور دیہاتوں میں جوا باز پولیس کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ قانون کے بہانے ان کو پکڑ کر رقم کی وصولی کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں نام نہاد ماہرین اقتصادیات کی کوششوں سے جوا کی ایسی شکلیں سامنے آئی ہیں جس سے قانونی تحفظ حاصل ہوا ہے۔ مختلف ناموں سے کئی کمپنیاں بڑے دلفریب طریقہ سے قوم کے غریب اور نادار کے خون اور پسینہ اور ان کی عزت و آبرو سے کھیل رہی ہیں۔ راتوں رات لکھ پتی اور کروڑ پتی بننے کے خواب دیکھنے والے بڑی گرم جوشی سے ان کمپنیوں کو خوش آمدید کہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی کمپنیاں کامیاب کاروبار کی ضمانت دے کر دن بدن ان کمپنیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کہیں "انعامی بونڈ" کے دلکش نام سے یہ کمپنیاں مصروف عمل ہیں۔ کہیں اخباری معموں کے حل کرنے کے بہانے سے غریبوں کی جیبوں پر

دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ اور کہیں لاٹری کی متعدد شکلوں میں یہ ایجنسیاں سرگرم عمل ہیں۔

سیور ریفل کی حقیقت | یہ پروگرام بھی لاٹری کی ایک شکل ہے اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ متعلقہ کمپنی خاص مقدار میں مثلاً دس دس روپے کی ٹکٹیں شائع کرتی ہے جو "حبیب بنک" کے توسط سے لوگوں میں فروخت کی جاتی ہیں۔ کمپنی مجموعی ٹکٹوں کی فروخت مکمل ہونے پر مقرر شدہ قواعد و ضوابط کو مدنظر رکھ کر چند افراد کا انتخاب قرعہ اندازی کے ذریعہ کرتی ہے ان چند اشخاص کے انعامات کا اعلان کمپنی بذریعہ اخبارات کرتی ہے جنہیں متعلقہ افراد انعام کی وصولی کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اور بقایا افراد کی جمع شدہ رقم کھلاڑیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاتی ہے۔ یوں اس کے ذریعہ چند افراد پر تو دولت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوسرے بے چارے دس دس روپے سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

اس کی شرعی حیثیت بیان کرنے سے قبل ہم جوا کی ان قسموں کا جائزہ لیتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں مروج تھے۔

دور نبوی میں جوا کی صورتیں | قرآن مجید میں جوا کا تذکرہ تین جگہ خصوصیت سے ہوا ہے۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ میں ہے۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا الآیۃ

(سورہ بقرہ آیت ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ لوگوں کو بعض فائدے بھی ہیں لیکن گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

دوسری مرتبہ اس کا تذکرہ سورہ مائدہ آیت ۳ میں محرمات کے ذیل میں "اَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْاَزْلَامِ" سے ہوا ہے یعنی وہ طریقہ جس میں حقوق کا تعین قرعہ اندازی اور لاٹری کے طریقوں سے کیا جائے۔

تیسری بار بھی سورۂ مائدہ میں اس کا تفصیلی حکم بیان ہوا۔

يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون ۝

اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(سورہ مائدہ آیت ۹۲)

ان تینوں آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوا کے لئے اصل لفظ عربی میں "میسر" استعمال ہوا ہے
کیونکہ استقسام بالازلام "میسر" کی ایک خاص شکل تھی۔ جس سے جوا کے علاوہ شرک بھی مقصود تھا۔

میسر کی تحقیق

"میسر" - "یسر" سے "موعد" اور "مرجع" کے وزن پر مصدر ہے۔ ماخذ اشتقاق میں
متعدد رائے ہیں۔

حضرت مقاتل کی رائے ہے کہ یہ "یسر" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی "آسانی" ہے۔ "جوا" میں بھی ایک شخص دوسرے
شخص کا مال بغیر کسی محنت مشقت کے آسانی سے ہڑپ کرتا ہے اس مناسبت کی وجہ سے اس کا نام "میسر" رکھا گیا۔
"ابن قتیبہ" کی رائے کہ "یسیر" تجزیہ اور اقتسام یعنی تقسیم کرنے کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے۔
"یسروا الشئ" ہر چیز تقسیم کرو۔ اس کاروبار میں بھی تقسیم سے کام لیا جاتا ہے اس لئے یہ نام پڑ گیا۔
بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ "یسیر" کا معنی وجوب اور لزوم ہے۔ اس عمل کی وجہ سے متعلقہ شخص کا
حصہ لازم بن جاتا ہے۔ اس لئے اس کو "میسر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (تفسیر کبیر ص ۴۰ ج ۸)
نزول قرآن کے وقت مشرکین میں "جوا" کی حقیقت کچھ یوں تھی۔ کہ کعبہ کے خادم کے پاس دس تیر ہوتے تھے
بعض تیروں کے نام پہ خاص حصے متعین ہوتے تھے اور کچھ تیر یوں خالی رہتے۔
مشرکین مکہ جب جب قسمت آزمائی کے لئے میدان میں اترتے تو دس آدمی شریک ہو کر ایک اونٹ ذبح کرتے
اونٹ کے گوشت کے دس حصے کئے جاتے اور اس کے بعد جملہ شرکاء خادم کعبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ فیس دینے
کے بعد تیر نکالنے کے انتظار میں رہتے۔ خادم عام تیروں کو ترکش میں ڈال کر ہلاتا۔ اور پھر باری باری ایک ایک
شریک کے لئے ترکش سے تیر نکالتا جس حصہ کا تیر جس شخص کے نام نکل آتا۔ وہی شخص اس حصے کا مستحق ٹھہر اکر
اس کو خوش قسمت سمجھا جاتا اور جس کے نام سادہ تیر نکل آتا وہ حصے سے محروم رہتا۔ محروم بدقسمت پوری قیمت کا
ذمہ دار ٹھہرتا۔ اور جس کے نام کچھ حصے نکل آتے۔ وہ اونٹ کی قیمت کی ادائیگی سے بری الذمہ متصور ہوتا۔
عرب سخاوت اور فیاضی میں مشہور تھے اس لئے وہ خود ان حصوں کے کھانے سے پرہیز کرتے۔ بلکہ یہ گوشت
خدام کعبہ اور فقراء پر تقسیم ہوتا۔ ظاہر بات ہے کہ اس طریقہ کار میں یا تو پوری قیمت ادا کرنی پڑتی۔ اور یا فائدہ
ہی فائدہ رہتا۔

گوشت کے حصے ملنے کے بعد سخاوت کے مزے اڑاتے۔ قرآن کی رو سے جوا کی یہ حقیقت مسلمانوں کے لئے
حرام ٹھہرائی گئی۔ اس وقت جوا کی بعض صورتیں کھیلوں کی شکل میں موجود تھیں۔ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ لعب بالنرد شیر فکانما صبغ

جو شخص "نرد شیر" سے کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر

یدہ فی لحم خنزیر و دمہ۔ کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے۔

(ابن کثیر صہ ۹۲ ج ۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو "نردشیر" سے کھیلا اس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی۔
اس سے ملتا جلتا دوسرا کھیل "شطرنج" ہے بھی عوام جوا کھیلتے تھے جس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "والشطرنج من المیسر" یعنی شطرنج جوا کی قسم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ شطرنج تو نردشیر سے برا ہے (ابن کثیر صہ ۹۲ ج ۲)

"جوا" صرف ان صورتوں سے خاص نہیں۔ بلکہ یہ چند شکلیں تھیں جو قرآن و حدیث کی رو سے حرام ٹھہرائی گئیں، اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں معاملہ کی ایسی شکل موجود ہو جس میں کسی شرط کی وجہ سے یا تو محرومی سے سامنا کرنا پڑتا ہو اور یا فائدہ سے بہرہ ور ہونے کا احتمال ہو تو یہ صورت "میسر" کے حکم میں ہو کر حرام رہے گی۔
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "المخاطرہ من القمار" یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے۔ مخاطرہ ایسے معاملہ کا نام ہے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو۔ یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی احتمال ہو کہ کچھ نہ ملے۔
(معارف القرآن ج ۱ صہ ۵۳۲)

ابن سیرین، مجاہد اور عطا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کل شئی فیہ خطر فھو من المیسر (تفسیر کبیر ج ۶ صہ ۴۸)
ہر وہ چیز جس میں شرط ہو کہ جس پر بازیابی یا محرومی مبنی ہو۔ تو وہ قمار کے حکم میں ہے۔
قرطبی میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے۔

حتی لعب الصبیان بالجوز والکعاب۔ (قرطبی ج ۲ صہ ۵۲)
یعنی ہر قسم کا قمار میسر ہے۔ یہاں تک کہ بچوں کا لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ کے ساتھ کھیل بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ ابن عابدین ایک مستقل قاعدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس کے وجود و عدم وجود کی دونوں جانبین مساوی ہوں۔ یعنی اس شرط کی بنا پر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبین برابر ہوں اس کو "میسر" کہا جائے گا۔ شریعت میں یہ معاملہ حرام ہے۔
(ردالمختار علی الدرالمختار المعروف بشامی ج ۵ صہ ۲۵۹)
ان حوالہ جات کی روشنی میں انسان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ "**سیور ریفل**" کی حقیقت بھی دوسری

قسم کی لاٹریوں کی طرح ایک لاٹری ہے جو از روئے شریعت حرام اور ناجائز ہے۔ اس میں شرکت اور شرکت کی دعوت امور محرمہ سے ہے۔

حدیث میں ہے کہ من قال لصاحبه تعالى اقامرك فليتصدق (جواهر الفقه ج ۲ ص ۳۴۷)

یعنی اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو محض زبان سے کہہ دیا کہ آؤ جوا کھیلیں (خواہ عمل کا موقعہ بھی نہ ملا ہو) تو نفس اس دعوت دینے کی وجہ سے یہ شخص گنہگار ہو گیا۔ اس کو چاہئے کہ اس گناہ کی تلافی کے لئے کچھ صدقہ کرے۔

سماجی اور اجتماعی نقصانات | معاشرہ میں سیور ریفل ٹکٹ کے معمولی منافع اور فوائد کو دیکھا جاتا ہے قوم اس لالچ میں گرفتار ہوتی ہے کہ ایک غریب اور بدحال شخص ایک دن میں سرمایہ دار بن جاتا ہے۔ قوم ظاہر بینی کے اس جال میں پھنس کر نقائص اور مضرات سے آنکھیں بند کر دیتی ہے۔ حالاں کہ قرآن نے صریح اعلان کیا کہ جوا اور شراب میں کچھ منافع بھی ہیں مگر نفع سے اس کا نقصان بڑھا ہوا ہے۔

سیور ریفل ٹکٹ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص کا نقصان پر موقوف ہوتا ہے جیتنے والے کا نفع ہارنے والے کے نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خود غرضی دل و دماغ پر طاری ہو کر انسانیت کے اقدار اس میں پامال ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرا یہ بھائی ہار جائے اس کو نقصان ملے اور مجھے فائدہ ملے۔ گویا اس میں انسان جو ہمدردی، محبت اور انس کا پیکر ہے۔ خونخوار درندہ کی صفت اختیار کرتا ہے کہ دوسرے بھائی کی موت اپنی زندگی، اس کی مصیبت اپنی راحت، اس کا نقصان اپنا فائدہ متصور کرتا ہے جو انسانیت سے زیب نہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ انسان کی طبیعت سے محنت اور مشقت کی عادت اٹھ جاتی ہے۔ جواباز چند منٹ میں لاکھوں روپے کی کمائی کو منظور نظر رکھ کر محنت اور مشقت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور یوں بیروزگاری اور نکماپن معاشرہ میں سرایت کرتا ہے۔

تیسری خرابی یہ بھی ہے کہ شراب کی طرح جوا بھی آپس میں لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد کا سبب ہوتا ہے ہارنے والے کے دل میں جیتنے والے سے نفرت اور عداوت ہوتی ہے اور یہ تمدن و معاشرت کے لئے سخت مہلک چیز ہے۔ مزید یہ کہ حرص و لالچ کی دلدل میں پھنس کر اللہ کے ذکر سے غفلت اور لاپرواہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان مضرات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ (سورہ مائدہ آیت ۹۱)

یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض و نفرت پیدا کر دے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔
ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں دوسرے شخص کی دولت اس کے طیب خاطر کے بغیر باطل طریقہ سے کھائی جاتی ہے از روئے شرع ممنوع ہے کیونکہ ہارنے والے طبعی طور پر اپنی دولت ایسے طریقے سے دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایک اور اہم خرابی یہ ہے کہ جوا سے حرام خوری کی عادت بیٹھ جاتی ہے جس سے قوم کی غیرت اور حمیت متاثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں جوا باز ایسی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے جو انسانی غیرت اور حمیت کے منافی ہوتی ہیں۔

تصدیق از شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

رئیس دار الافتاء دار العلوم حقانیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ حافظ مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب حقانی ایم اے اسلامیات نے سیو ر ریفل ٹکٹ سکیم کا جو تجزیہ کیا ہے وہ درست اور عادلانہ ہے سیو ر ریفل ٹکٹ شرعی اصول کی بنا پر جوا ہے۔ دینی اور خالص اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی ہوشمند کو اس کے جوا ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ جوئے میں جس قدر مفاسد اور دینی مضرتیں ہیں وہ تمام کی تمام سیو ر ریفل ٹکٹ میں بھی موجود ہیں۔ اہل اسلام کے لئے اس سے اجتناب ضروری ہے اور ارباب حکومت پر فرض ہے کہ اس جریمہ کا انسداد کرے

محمد فرید عفی عنہ

۲۷ محرم ۱۴۱۰ھ

۷ ستمبر پہلے یوم وفات کی مناسبت سے

مولانا عبدالقیوم حقانی
رفیق موتمر المصنفین و استاذ دارالعلوم حقانیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

بلند مرتبہ انسان، مردِ کامل اور جامع شخصیت

(حضرتؒ کے روحانی فیوضات، خصائل و خصوصیات اور علمی افادات پر مشتمل ادارہ کی تازہ پیش کش)

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ دینِ اسلام کے روزِ اول سے لے کر تاہنوز مخلوقِ خدا کی ہدایت، تعلیم و تربیت
اصلاحِ اعمال و اخلاق، تزکیۂ باطن، انسانیت کی تعمیر و تشکیل اور امت کی وحدت اور ارتقاء میں علماء
امت، صلحاء ملت، اولیاء اللہ اور مشائخ کی صحبتیں، ان کے مجالس، ان کے ارشادات و افادات، ان
کے ہدایات و ملفوظات اور بعض اوقات ان کی دلنواز نگاہیں نسخۂ اکسیر ثابت ہوتی ہیں۔
حضرت امام بخاریؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ۔ امام سفیان ثوریؒ۔ شیخ سہروردیؒ
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ علامہ ابن تیمیہؒ۔ حافظ ابن قیمؒ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ۔ قاسم العلوم
والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ۔ حکیم الامت
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ محدث العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ۔ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد
مدنیؒ۔ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ یہ سب حضرات ایک طرف شیوخ طریقت اور دوسری طرف
مسندِ علم کے تاجدار تھے۔ ان کے احوال و سوانح کمالاتِ علم کے ساتھ ساتھ برکاتِ باطنی سے بھی لبریز ہیں ان
کے مجالس، ان کے فیوض و برکات، ان کی گفتگو اور ان کے افاضات و ارشادات سے ایک عالم مستفید ہوا
اور اب تک استفادہ کیا جارہا ہے۔ یہی بزرگ تھے جن کے دم قدم سے دینِ اسلام کی روشنی پھیلی۔ درحقیقت
اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کی جامعیت تھی وہ اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
قریب تر تھے اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا۔
ائمہ اسلافؒ میں ایک ایک کی سوانح اور ان کے تذکرہ و احوال کا مطالعہ کیا جائے تو ظاہر و باطن کے
علوم کے جامع نظر آئیں گے۔ چودھویں صدی کے نصف آخر اور پندرھویں صدی کے عشرہ اول میں بقیۃ السلف
محدث العصر استاذی و استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کا وجود گرامی بھی تکوینی طور پر دین اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت کی ایک زرّین کڑی اور تسلسل اور اس کی حقانیت اور صداقت کی ایک واضح دلیل ثابت ہوا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ تقریباً پون صدی وراثت نبوت کی تقسیم اور علوم نبوت کی تعلیم و تدریس میں "ویعلمهم الکتب والحکمة" کا جلوہ دکھاتے رہے اس کے ساتھ اپنے خصوصی توجہات اور مخصوص اوقات میں "ویزکیهم" کی جلوہ ریزی بھی کرتے رہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ سے مدرسیت اور خانقاہیت علم ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت کی دونوں سوتیں ایک چشمہ بن کر بہہ رہی تھیں۔ شب بیداری نے ان کی آنکھوں کا نور بڑھا دیا تھا۔ اور ذکر کی کثرت اور خلوص کی سپرٹ نے ان کی زبان کی تاثیر میں مقناطیسیت ڈال دی تھی جنہیں دیکھ کر دین کے زندہ و جاوید اور موثر ہونے کا ثبوت مل جاتا تھا۔

احقر کی طالب علمی کا چوتھا سال تھا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بعض مواعظ اور اشرف السوانح کا ایک حصہ پڑھا تو ذہن بدل گیا اور صبح و شام ایک کیفیت اور ایک ہی آرزو سامنے رہنے لگی۔ کہ کسی زندہ بزرگ، مصلح امت، ولی اللہ، عالم ربانی اور مربی و محسن اور ایک اللہ والے سے تعلق جڑ جائے۔ ان کی خدمت و صحبت میں پہنچ کر اپنی انسانیت کی بقا، تعمیر و تشکیل اور خلوص وللہیت کا سبق حاصل کیا جائے۔

ادھر یہ آرزو اور ادھر عام مشائخ اور اکابر علماء بالخصوص مرکز علم دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور اپنے اساتذہ[1] سے ابتدائے شعور سے محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے علمی کمالات روحانی تربیت و توجہات۔ بلند اخلاقی کردار معاصر علماء میں ان کے مقام و مرتبہ اور عام اخلاق و عادات سے متعلق دلچسپ اور حیرت انگیز حالات اور واقعات اس کثرت اور تواتر سے سننے لگا کہ دل و دماغ اور

---

[1] بالخصوص استاذ محترم حضرت العلامہ مولانا محمد زمان صاحب فاضل حقانیہ (حال مدرس مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی) کی خصوصی توجہ، ذہنی و اخلاقی تربیت، حضرت شیخؒ سے وارفتگی اور عشق و محبت اور اس سلسلہ میں ان کی حسین یادیں اور ان کا تذکرہ، پھر زندگی کے اس نئے موڑ دارالعلوم بالخصوص حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضری کے سلسلہ میں بھرپور رہنمائی، مشفقانہ تعاون اور مخلصانہ غائبانہ دعاؤں سے زبردست پشت پناہی سے میری ہمت افزائی فرماتے رہے موجودہ دور میں سلف صالحین کی یاد دلانے والے ایسے نمونے خال خال ملتے ہیں۔ موصوف علم حدیث کی جلیل القدر کتاب "المدونة في علم الحديث و اصنافها و خصائصها" کے مصنف ہیں۔ اپنی وضع اور طبعی و مزاجی خصوصیات سے پرانے زمانے کے اسلاف امت کی یاد دلاتے ہیں۔

ذہن وقلب پر ان کی معصوم سی فرضی مگر حسین اور محبوب تصویر نقش ہوگئی۔

اور اب انسانی فطرت (جس کے پس منظر میں باری تعالیٰ ہی کی موہبت کارفرما تھی) آگے بڑھی محض انسیت کہ زیارت و ملاقات، حضور مجلس و استفادہ، خدمت و قرب شیخ اور کسب فیض کے لئے اشتیاق بے چینی اور اضطراب بلکہ عشق و محبت کے کیفیات سے تبدیل کردیا بس اب تو عالم ہی دوسرا تھا ع

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں

طلب اور اشتیاقِ فیض تڑپ کے مرحلہ میں داخل ہوگیا اور یہ فیصلہ کرلیا کہ تعلیم کی مزید تحصیل کے لئے مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا جائے قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث سے کسب فیض، خدمت حصولِ دعا اور استفادہ کی اس سے بہتر کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ؎

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ترجمہ: وہ جو خاک کو ایک نظر سے کیمیا بنا دیتے ہیں ممکن ہے کہ وہ ہم پر بھی نظر التفات فرمائیں

چنانچہ دارالعلوم کے مرحوم ناظم اعلیٰ مولانا سلطان محمود صاحبؒ کے نام ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو دارالعلوم میں داخلے کے سلسلہ میں جو خط لکھا اس کی نقل محفوظ کرلی تھی اور اب دیکھا تو اس خط کا اصل مضمون بھی یہی تھا کہ "آئندہ سال سے دارالعلوم حقانیہ میں تعلیمی داخلہ لینے کا ارادہ ہے اس کی وجہ دارالعلوم کی بے مثل تعلیم، بہترین ماحول، مہربان اساتذہ بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی ذات بابرکات ہے ان ہی کی صحبت میں رہنے اور ان ہی کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کا تصور غالب ہے ع

کہ زینہ ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جواب آیا کہ دارالعلوم کے شرائط اور قواعد و ضوابط کی پابندی کو ملحوظ رکھ سکو گے تو داخلہ ضرور مل جائے گا چنانچہ احقر شوال ۱۳۹۵ھ کے دوسرے عشرے کے اوائل میں دارالعلوم پہنچ گیا جمعہ کا دن تھا حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی مسجد (قدیم دارالعلوم حقانیہ) میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا نماز بھی خود پڑھائی۔ احقر پہلی صف میں حضرتؒ کے سامنے بیٹھا تھا اور چہرۂ انور پر نظر تھی لوح حافظہ پر یہ نقش اتنا گہرا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہے ملنے اور ایک دو منٹ بات چیت کرنے کی جرأت تو کرہی لی تاہم دل اس سے نہال ہوا جارہا تھا۔ کہ اتنے قریب سے دیکھنے، حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھنے گفتگو سننے اور علیک سلیک اور مصافحہ کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔

یہی پہلی ملاقات تھی چشم تصور میں آج اس پہلی ملاقات کی پیاری اور حسین تصویر نگاہوں کے سامنے ہے ع

ہم نے دیکھا تھا اک فنا فی اللہ

حضرت شیخ الحدیثؒ سراپا وقار، مجسم متانت، قد میانہ اور چہرۂ اقدس پر معصومیت اور شرافت نمایاں رہتی تھی۔ لباس نہایت صاف ستھرا، سر پر عمامہ نہایت سفید اور صاف، اس کے پیچ بھی نہایت خوبصورتی سے دئے ہوئے (بعد میں مخدوم زادہ ذی قدر حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق مدظلہ نے بتایا کہ حضرتؒ جب عمامہ باندھتے تو بڑے شوق اور پوری توجہ سے باندھا کرتے تھے) آنکھوں میں ایمان کا نور اور علم و فراست کا اجالا دمک رہا تھا۔ چہرۂ انور گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور جب تک مجلس رہتی لبوں پر مسکراہٹ رہتی اول وہلہ میں دیکھ کر دل نے یہ شہادت دی کہ ان میں دوسروں کو ایذا پہنچانے اور دل دکھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ پھر حضرتؒ سے قرب و تعلق، تلمذ و خدمت، معیت و استفادہ اور سفر و حضر میں رفاقت کی وجہ سے ذاتی واقفیت جتنی بڑھتی گئی حضرتؒ کی شخصیت کی عظمت اور اس کا اثر بھی اپنے اوپر بڑھتا گیا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے خدمات جلیلہ، عظمت علم و دین، سیاسی مقام و منزلت اور مجاہدانہ کردار اپنے تلامذہ، حلقۂ علماء و احباب اور لکھے پڑھے ذی شعور طبقہ میں تو مسلّم تھا ہی، ہمارے ڈیرہ اسماعیل خان کے دور دراز دیہاتوں کے ان پڑھ لوگ بھی ان سے متاثر بلکہ ان کے غائبانہ عقیدت مند اور محب تھے میرے لئے ان کے سامنے حضرت شیخ الحدیثؒ کا نام بھی فخر کے لئے کچھ کم نہ تھا ع

ان کے اک جان نثار ہم بھی ہیں

میری تو خیر، کوئی رائے اور حیثیت ہی نہیں، اکابر علماء مشائخ اور صاحب بصیرت ارباب علم و فضل کو بارہا اس بارے میں ہم خیال و یک زبان پایا کہ اس زمانہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ ایسی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے دین کا ایک واقعاتی معجزہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

تلمذ و استفادہ اور خدمت و شدت قرب کے دس سال کے طویل عرصہ میں حضرتؒ کو قریب سے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا بہترین موقع ملا۔ اس دوران جو چیز خاص طور پر محسوس کی وہ یہ تھی کہ شب کے معمولات کی پابندی و مشغولی، مطالعہ کتب، فکر و مراقبہ، تہجد اور مناجات و ریاضت کے باوجود دن میں وہ بڑی مستعدی اور بیداری، ہر ایک کی طرف حسب حال پوری توجہ و التفات، دارالعلوم کے اہتمام، اضیاف کی کثرت اور ان سے ملاقاتیں اور خدمت درس و تدریس اور روزانہ کے سبق میں حیرت انگیز مباحث اور علمی نکات اسی شان سے بیان فرماتے تھے کہ تعب و مشقت یا تھکان اور اکتاہٹ کا کوئی نشان بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

دارالحدیث میں درس حدیث کا منظر، حضرتؒ کا مخصوص اور دلکش لہجہ اور دارالحدیث کی روحانی اور پر سکینت فضا اور حضرت کا معصوم چہرہ آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

آپ کے انداز درس حدیث میں حفظ و تبحر اور دعوت جہاد کی روح ہدف ہوا کرتی تھی۔ آپ کے جوش
جہاد، ذوق عمل، ہمت باطنی اور وسعت اخلاق نے علم کو عمل کے ہر ہر گوشے میں ڈھال کر عملی سانچوں میں پیش
کیا۔ آپ کا درس عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھرپور اور جذبات عمل سے لبریز ہوا کرتا تھا
جس سے طلبہ مخلصین کے قوائے عمل کی قوتیں بیدار ہو جاتیں اور جذبات عمل زیادہ سے زیادہ مشتعل ہوتے تھے۔
مہمانوں کی کثرت اور اس پر حضرت کی مسرت و بشارت بچشم خود دیکھی۔ مہمانوں کا بھی کوئی وقت یا
کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ مہمانوں میں ہر طبقہ کے لوگ ہوتے تھے اکابر علماء، دارالعلوم حقانیہ کے مخلص معاونین
قدیم فضلاء، جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی قائدین، مشاہیر زعماء، سیاسی رہنما، جماعتی احباب، تبلیغی جماعتیں،
ارکان پارلیمنٹ، وزراء، سرکاری آفیسرز، کالج کے طلبہ، دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ، خفیہ پولیس کے خاص
اشخاص، بیعت کے خواہشمند۔ تعویذات کے طالب۔ غرض کہ ہر طبقہ اور ہر قسم کی سوسائٹی سے تعلق رکھنے
والے احباب آپ کے ہاں تشریف لاتے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق خوشحال اور مالامال ہوتے۔
اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کی عملی زندگی کامل اتباع نبوی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید تھی
آپ میں مقصد کی لگن اور نصب العین کا وہ عشق تھا جس کے لئے ایثار اور قربانی کا ایسا مرحلہ نہ تھا جسے آپ
نے گوارا نہ فرمایا ہو۔ کوئی مشقت اور تکلیف نہ تھی جس کا استقبال مسکراتے ہوتے نہ کیا ہو۔ اور واقعہ بھی
یہی ہے کہ عشق کا جنون جب سر پر سوار ہو جاتا ہے تو محبوب کی طلب میں کوئی مزاحمت نہیں رہتی وہ شوق
منزل کی تمام دشواریوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ حضرت کی زندگی کا خمیر عشق کی ولولہ انگیزیوں اور جنون نوازیوں
تیار ہوا تھا۔ آپ کی ذات میں ایثار و قربانی اور سرفروشیوں کی ایک دنیا آباد تھی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار
و اخلاص کا پیمانہ جہاد فی سبیل اللہ تھا وہی روح اور سچی تڑپ آپ کے اندر برابر کام کرتی رہی۔
میری زندگی کے دس سال کا یہ عرصہ جو حضرت کی خدمت و معیت اور ان سے اخذ و استفادہ اور ان کی مجلس
خیر و برکت میں گذرا۔ ہر شب شب قدر اور ہر روز روز عید کا مصداق بن گیا ؎

مے ناب و کنار آب و یار مہرباں ساقی
دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

پھر احقر نے حضرت کے ساتھ رہ کر متعدد اور متضاد مناظر دیکھے۔ ۷۴ء کی تحریک ختم نبوت ۷۷ء کی
تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ اور مختلف الیکشنوں کے ہنگاموں میں لوگوں کی عقیدت و ارادت کا جوش بھی دیکھا

لوگوں کی نیازمندی اور اظہارِ جاں نثاری بھی دیکھی۔ ۸۵ء کے الیکشن کے نتیجے میں قائم ہونے والی پارلیمنٹ میں مخدوم زادہ ذی قدر استاذ محترم حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق مدظلہ کا نفاذِ شریعت بل پیش کرنے کے معرکے اور اس سلسلہ کے ہنگامے اور پھر حضرت شیخ الحدیثؒ کی تحریک نفاذِ شریعت کی قیادت اور متحدہ شریعت محاذ کی صدارت کے ایام بھی دیکھے۔ سیاسی فضا کے تکدر، زود رنجی اور طوطا چشم عوام کی بے وفائی۔ اور ان کے بعض قریبی تلامذہ اور عزیزوں کی احسان فراموشیاں۔ حضرتؒ کی تحریک نفاذِ شریعت کے مقابلہ میں تحریک بحالی جمہوریت کے فروغ و ترویج اور غلو فی السیاست کے روح فرسا اور دلسوز مناظر بھی دیکھے۔ سوشلزم کے عفریت اور سوشلسٹ انقلاب کی یلغار اور شورش کی متوقع حکمرانی کے خلاف جب حضرتؒ نے ملک بھر کے مرکزی مقامات اور صوبہ سرحد کے اہم اضلاع اور اہم مقامات کا دورہ کیا تو اس موقع پر بھی اپنے بعض نادان دوستوں کی بلاوجہ مزاحمت سے حضرتؒ کو تند و تلخ تحریریں۔ دینی درد و دلسوزی اور شرعی نقطۂ نظر کے پیش نظر قلبی بے چینی اور اضطراب سے بھی گذرنا پڑا۔ ان ایام میں بھی رفاقت اور قرب خاص میں رہ کر آپ کی ہر ادا سامنے رہی۔ مگر بایں ہمہ، نجی مجالس، درس کی مسند، دارالعلوم کے دفترِ اہتمام، پارلیمنٹ کی رزم گاہ تحریک نفاذِ شریعت کے عظیم جلسوں اور سیاسی ہنگاموں میں حضرتؒ کی حالت یکساں پائی۔ اور کوثر و تسنیم دھلی ہوئی زبان سے کوئی حرفِ شکایت سننے کی نوبت نہیں آئی ؎

ذرہ پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے
جو عالی ظرف ہیں جتنی پئیں وہ کب بہکتے ہیں

مولانا عبدالحقؒ ایک فرد کا نام نہ تھا صفاتِ خیر کے اس نہایت حسین اور دلآویز پیکر کا نام تھا جس کا وجود خاکی تھا مگر صفات ملکوتی تھیں وہ مسلکاً حنفی تھے مگر شدت اور غلو نام کی چیز سے ناآشنا تھے مسلک میں بے جا سختی اور نہ مزاج میں تندی، علم حدیث اور علم فقہ، علوم شرعیہ کا مشکل ترین میدان ہے لیکن حضرتؒ کے ہاں پیچیدہ مسائل چٹکیوں میں حل ہوتے شریعت کوئی بھاری بوجھ محسوس نہ ہوتی زندگی میں رچی بسی بڑی سہل چیز نظر آتی وہ عسر کی بجائے یسر کی راہ نکالتے شریعت سے خوفزدہ نہ کرتے اس پر عمل کی ترغیب دیتے اور اپنی رائے کسی پر جبراً مسلط نہ کرتے۔ اندازِ تفہیم ایسا دلنشین ہوتا کہ سننے والے کو نہ صرف شرح صدر ہو جاتا بلکہ وہ حضرتؒ کا گرویدہ بن جاتا۔ بعض سیاسی زعماء اور نامور علماء کے اندر پائی جانے والی خشونت انہیں چھو کر بھی نہیں گذری تھی۔ وہ بڑے ملنسار، منکسر المزاج اور متواضع و خلیق تھے۔ عام گفتگو میں بھی اپنی علمی برتری و جامعیت کا ذرہ بھی اظہار نہ ہونے دیتے۔

مجھے تو خود حضرتؒ سے خدمت و تلمذ کی نسبت تھی اور حضرتؒ میرے شیخ و مربی اور محسن و استاذ تھے

شرافت نفس، عزیزانہ محبت اور مکارم اخلاق کا بار بار تجربہ ہوتا رہا۔ اپنی بزرگی کے باوجود تواضع میں پچھے جاتے تھے ہیں شرمندہ بھی ہوتا اور اس احساس سے شاد کام بھی۔ کہ اپنے علم و فضل میں ایسا عظیم اور بلند پایہ انسان مجھے بطور مربی و استاد اور ایک مہربان و دعاگو بزرگ کے میسر آیا ہے۔

حضرتؒ نرم مزاجی اور خوش اخلاقی کے باوجود بہت صاف گو تھے۔ کھری یا سچی بات کہنے یا اپنی رائے کے اظہار میں انہیں کوئی تامل نہ ہوتا وہ اخلاقی اعتبار سے مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ ضرور کرتے تھے لیکن اس سے مرعوب ہرگز نہیں ہوتے تھے اگر سوال یا جواب میں جھنجھلاہٹ، ہٹ دھرمی یا اشتعال کا مظاہرہ ہوتا تو وہ اپنی بات کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتے۔ اور کمال یہ تھا کہ معاملہ کو بدمزگی یا تلخی تک کبھی نہ پہنچنے دیتے تھے۔ حضرتؒ میں صحابہ کرامؓ کی والہانہ شان کی ایک ادا اور ان کی دینی بے قراری کی جھلک نظر آتی تھی۔ دل کے سوز و گداز اور راتوں کے راز و نیاز کی خبر بہت کم لوگوں کو تھی۔ آپ کا مزاج بھی یہی تھا کہ کسے اس کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر جنہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا وہ جانتے ہیں کہ بکاء باللیل و بسام بالنہار (رات کو رونے والے دن کو بہت مسکرانے والے) کی زندہ تصویر تھے۔

اور اس سے بڑھ کر شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی مدظلہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آج سے کوئی بیس پچیس سال قبل شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے ساتھ ریل گاڑی کا ایک طویل سفر پیش آیا۔ مسافروں کا ہجوم، پانی کی قلت، سفر کی تھکاوٹ اور مسافرانہ شرعی رخصتیں اس پر مستزاد، مگر میں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو دیکھا کہ بڑی مستعدی اور عالی ہمتی کے ساتھ قیام اللیل کے مناجات اور معمول کے وظائف و اوراد بڑی استقامت کے ساتھ پورا کر رہے ہیں۔ سفر کا یہ معاملہ دیکھا تو حضر کے معمولات کے تصور سے چشم حیرت کھلی ہی رہ گئی۔ حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں۔ حضرتؒ کی اس ہمت و عزیمت کو دیکھا تو ضمیر نے مجھے بھی جھنجھوڑا اور خدا کا فضل ہے کہ اسی روز سے میرا بھی تہجد کا معمول بن گیا ہے اور بلا عذر قضا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

کمال دشمہامت خلق کے ساتھ اپنے نفس سے بدگمانی اور بے مائیگی کا استحضار و اعلان انسان کی بلندی کی دلیل اور اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان نفس امارہ کی گرفت سے آزاد اور خود فریبی و خود پرستی سے بلند ہو گیا ہے اور یہ چیز حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی میں بہت نمایاں ہو گئی تھی۔ اور واقعۃً بھی یہی ان کا حال تھا قال نہ تھا۔ بڑے بڑوں کو دیکھا کہ حضرت کے اخلاق عالیہ تواضع و ایثار خورد نوازی کو دیکھ دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے تھے۔

حضرتؒ اکثر خود کو بے تکلفی سے "لیس بشئی" کہہ دیا کرتے تھے۔ ظاہر بینوں کو یہ الفاظ جیسے بھی لگیں

لیکن حضرتؒ کا اپنے متعلق یہ عقیدہ تھا اور اس میں کوئی تصنع کا شائبہ تک نہ تھا وہ دل سے اپنے کو "لیس بشئی" سمجھتے تھے۔ حالاں کہ قدرت نے ان کو ہر طرح اپنے اسلاف کرام کا جانشین، بحرِ ذخار، قائدِ شریعت اور نعم الخلف لنعم السلف کا مصداق بنایا تھا۔ حضرتؒ کے ملفوظات کا ذخیرہ آپ کے سامنے ہے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ خود کو کیا سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تواضع و انکسار اور بے نفسی کے کس مقامِ رفیع پہ پہنچایا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ الفاظ کی بڑی سے بڑی مقدار بھی ذاتی مطالعہ اور عینی مشاہدہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی الفاظ کا دامن تنگ ہے اصل حقیقت کی نقاب کشائی الفاظ کے محدود پیرایۂ اظہار سے ناممکن ہے۔

پھر کیفیات و جذبات، بیسیوں ادائیں، عشقِ رسولؐ، وارفتگی و جاں نثاری یہ سب ایسے امور ہیں جن کی واقعی تصویر کشی بہرحال محال ہے۔

اور اگر کوئی چیز کسی کا صحیح تصور قائم کرا سکتی ہے اور ان کو کسی حد تک صحیح شکل میں پیش کر سکتی ہے تو وہ صرف واقعات، حقائق یا ان کی اپنی روزمرہ کی بے تکلف گفتگو، نجی کے مجالس، مواعظ اور ارشادات ہی ہو سکتے ہیں۔

تعلیم دین، علوم نبوت کی ترویج و اشاعت، قرآنی معارف کی خدمت، آدم گردی و آدم سازی اور رجال کار کی تربیت پر خصوصی توجہ اور ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کا قائم فرمودہ عظیم ادارہ مرکز علم دارالعلوم حقانیہ ہے جس کے فضلاء آج اطرافِ عالم میں ترویج شریعت اور اقامت دین کے کام میں مصروف ہیں۔ جہادِ افغانستان کی مرکزی قیادت اور محاذ جنگ کے عظیم جرنیل مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے خصوصی تلامذہ ہیں۔ حضرت نے اپنے تلامذہ کے عظیم سلسلہ کی صورت میں اقلیم محبت اور ولایتِ عشق کی نئی سپاہ تیار کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے مجالس، عام گفتگو، مواعظ جمعہ، عام خطبات بھی ہدایت و ارشاد، اصلاحِ انقلاب امت اور صفائے باطن میں اکسیر ہوا کرتے تھے۔

عام خطبات اور مواعظِ جمعہ مخدوم زادہ ذی قدر استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ضبط کر کے دعوات حق کے نام سے دو جلدوں میں شائع کر دئے جسے ملک و بیرون ملک مقبولیت عام حاصل ہوئی اور اس سلسلہ کے مزید ضبط و اشاعت کا مطالبہ اور اصرار ہونے لگا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی تیسری جلد پر بھی کام جاری ہے۔ عام خطبات اور مواعظِ جمعہ کے علاوہ حضرتؒ کی ایک مجلسِ عام بعد العصر مسجد شیخ الحدیثؒ (قدیم دارالعلوم حقانیہ) میں ہوا کرتی تھی۔ حضرتؒ عصر کی نماز پڑھ کر اپنی مسجد میں بیٹھ جایا کرتے۔ اکابر علماء مشائخ و دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ، اضیاف دور دراز سے آئے ہوئے مہمان، افغان قائدین، مجاہدین، سیاسی کارکن، قومی

رہنما حکومتی کارندے ۔غرض مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی
اجازت تھی۔

حضرت کی گفتگو میں رشد وہدایت کی چاشنی اور اخلاص ومحبت کا وفور ہوا کرتا تھا جس کی ایک بار ملاقات
ہوگئی وہ عمر بھر کا گرویدہ اور عاشق زار بن گیا۔یہی وجہ تھی کہ حضرت کے مجالس میں علماء ،مشائخ ، طلبہ، اہل
عقیدت اور اہل طلب شریک ہوتے ۔مختلف موضوعات اور مسائل پر باتیں چھیڑتے تو جواب شافی پاتے ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

ان مجالس کا کوئی مستقل یا متعین موضوع یا اس وقت کی گفتگو کوئی مستقل درس کی حیثیت نہیں رکھتی
تھی جو کچھ حسب حال اللہ کریم آپ کے دل میں ڈال دیتا ارشاد فرماتے۔

ان مجالس میں عام رشد وہدایت کے اقوال، سلوک وتصوف کے نکات، اصلاحی وعلمی تحقیقات، سلف
صالحین اور بزرگوں کے حالات وواقعات ارشاد فرماتے ۔بعض اوقات یہ گفتگو بڑے گہرے معارف وحقائق
دقیق نکات اور حیرت انگیز علمی وروحانی لطائف پر مشتمل ہوتی تھی ۔اکابر علماء دیوبند بالخصوص اپنے شیخ و
مربی شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تذکرہ کرتے وقت جذب ووجد کا خاص کیف واثر محسوس
ہوتا چہرۂ اقدس پر بشاشت آجاتی ۔گویا کسی نے دل کی دھڑکن پر ہاتھ رکھ دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا کہ دل کا
ساز کسی نے چھیڑ دیا ہے ۔آپ کے ملفوظات میں نادر تحقیقات اور بلند ولطیف علوم کا ایسا ذخیرہ ہوتا جو
حقائق اور معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے ۔

مجالس میں اول سے آخر تک انبساط رہتا ۔خشونت کا تصور بھی نہ تھا کسی درجہ کی خشکی اور یبوست
آس پاس نہ رہتی ۔خندہ جبینی شگفتہ بیانی زندہ دلی اور نکتہ سنجی مجلس کو باغ وبہار بنا دیتی تھی ۔وہ ایک مصلح
اور مشفق داعی تھے ۔ان کا مقصد زندگی خدمت علم، اصلاح امت اور دعوت وخدمت تھا۔ان کی نظر لینے
سے زیادہ دینے، فائدہ اٹھانے سے زیادہ فائدہ پہنچانے اور طلب وسوال سے زیادہ بذل ونوال پر تھی ۔حضرت
شیخ الحدیثؒ بھی عام علماء ربانی اور مشائخ روحانی کی طرح اپنی زندگی کے حالات وسوانح کے بجائے ہمیشہ صحیح
تعلیمات وہدایات، اپنے مطالعہ کا نچوڑ، اپنی زندگی کے تجربات اور اپنے محبین ومعتقدین اور عامۃ المسلمین
کے لئے مخلصانہ مشوروں کا اہتمام فرمایا کرتے تھے ۔جن پر عمل پیرا ہو کر وہ خود اس بلند مقام تک پہنچے اور جن
سے فائدہ اٹھا کر اور ان پر کاربند رہ کر دوسرے حضرات بھی دینی اور روحانی ترقیات حاصل کر سکتے ہیں ۔ اور
بہت سے خطرات ، وساوس، مضرات، لغزشوں اور غلطیوں سے بچ سکتے ہیں ۔علالت کے آخری ایام میں

بھی بھی احساسِ فرض، احساسِ مرض پر غالب رہتا تھا۔ حضرتؒ کے ارشادات اور ملفوظات سامعین و قارئین کو خیالات کی بلندی، حوصلہ مندی، مادیت کے خلاف بغاوت، حقیقت کی جستجو، ساز دل کو چھیڑنے اور روح کے سرچشموں کو جاری کرنے میں مرکزی اور بنیادی کردار ادا کرتے تھے۔

۷ ستمبر ۱۹۸۹ء کو قائد شریعت حضرت شیخ الحدیثؒ کے سانحہ ارتحال کا سال پورا ہونے پر ہم حضرتؒ کی اسی مجلس عامہ کے ارشادات و فیوضات اور ان کے علوم و معارف کا خزینہ "صحبتے با اہل حق" کے عنوان سے ۸۰۰ سے زائد صفحات کی ایک مستقل کتاب کی صورت میں ان کے تلامذہ متوسلین، معتقدین، الحق کے قارئین اور عامۃ المسلمین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ جسے احقر چھ سات سال سے قلم بند کر کے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ حضرتؒ بھی باقاعدگی سے تمام ملفوظات سنتے اور جگہ جگہ اصلاح بھی فرماتے رہے۔ جن میں طریقت و معرفت کے مسائل، شریعت کی حکمیات کی توضیح، سیاست اور قومی معاملات کے دقائق کی توجیہات اور حیات بخش نکتے اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ ایک جویائے حقیقت و معرفت، ایک متلاشی احوال آخرت اور ایک طلب گار شریعت و سیاست کے لئے یکساں طور پر شفا اور سکونِ روح کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ حضرتؒ کے دیگر حسنات اور عظیم صدقات جاریہ کی طرح یہ بھی ایک عظیم صدقہ جاریہ ہے۔ صحبتے با اہل حق کا مطالعہ ملفوظات سے استفادہ گویا حضرتؒ کی مجلس درس و افادہ میں روحانی اور معنوی حاضری ہے۔ کتاب پریس میں جا چکی ہے۔ قریبی ایام میں منظر عام پر آجائے گی انشاء اللہ

وقت کے محدث عظیم، مجاہد جلیل کے ان علم پرورانہ حقائق، عمل آفرین دقائق شرعی رہنمائی کے عرفانی ارشادات اور علمی ہدایات و فیوضات سے لوگ منتفع ہونے میں کوتاہی اور سستی سے کام نہیں لیں گے بلکہ اس زلال حیات سے ابدی زندگی حاصل کریں گے۔

Safety
instant milk
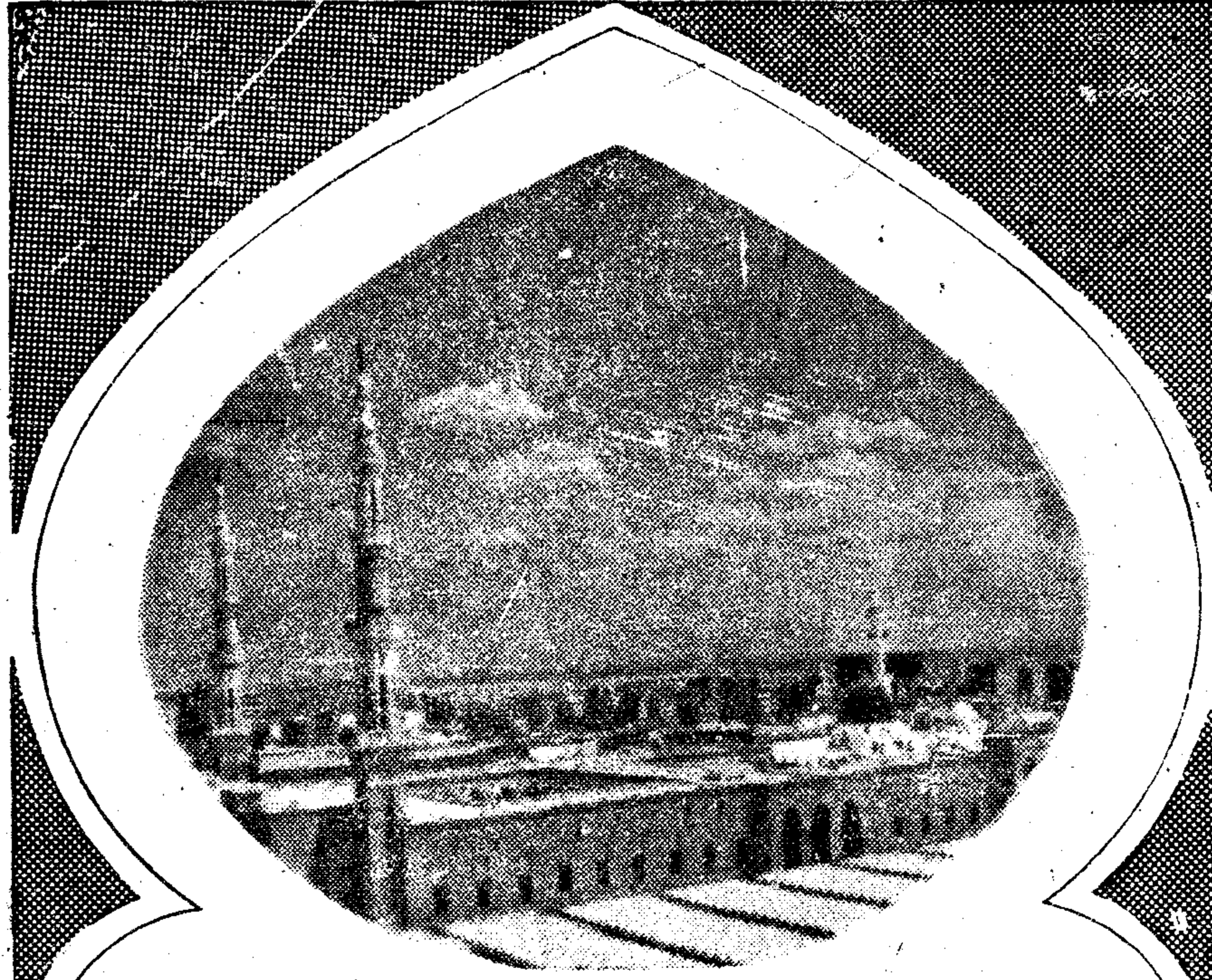
اُس کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے بھی نہ پائے
آپ محنت کا صلہ دے دیجئے مزدور کو
کاش ہر آجر کے ہو پیشِ نظر قولِ رسولؐ
حرفِ آخر مان لے دنیا اسی دستور کو
ہو رسولؐ اللہ کا کردار اگر خضرِ حیات
خود ہی آدابِ حیات آجائیں گے جمہور کو
PAKISTAN TOBACCO
PTC
COMPANY LIMITED
TELEGRAMS: PAKTOBAC AKORA KHATTAK
TELEPHONES: NOWSHERA 498 & 539
PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED
AKORA KHATTAK FACTORY P. O. NOWSHERA
(N. W. F. P.—PAKISTAN)

جناب ضیاء الدین لاہوری

سرسید اور کانگرس میں کشمکش کا پس منظر

"اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون" مطبوعہ ۱۸۵۹ء سرسید احمد خان کی اولین تصنیف ہے جس میں انہوں نے سیاست ہند کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کی۔ اسباب بغاوت ہند پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانیوں کی عدم شرکت کو "ہندوستان کے فساد کی جڑ" اور بقیہ تمام اسباب کو اس کی "شاخیں" قرار دیا[1]۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۸۵۷ء میں ہونے والی تباہی و بربادی اور بعد میں انگریزوں کی انتقامی کارروائیوں نے اہل ہند کے دلوں پر خوف کی ایک کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ اپنے مضمون میں انہوں نے حکمرانی کے ضمن میں سرکاری خامیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا۔

> "اس میں کچھ شک نہیں کہ رعایا کے حالات اور عادات اور خیالات اور اوضاع اور اطوار اور طبیعت اور طینت اور لیاقت کے دریافت کرنے میں توجہ نہیں کی بلاشبہ ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم تھا کہ ہماری رعیت پر دن کیسے گذرتا ہے اور رات کس مصیبت کی آتی ہے اور وہ دن بدن کس غم اور مصیبت میں پڑتے جاتے ہیں۔ اور کیا کیا رنج روز بروز ان کے دل میں جمتے جاتے ہیں۔ جو رفتہ رفتہ بہت کثرت سے جمع ہو گئے تھے اور ایک ادنیٰ تحریک سے دفعۃً بہ پڑے۔ لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانیوں کے شریک نہ ہونے سے صرف اتنا ہی نقصان نہیں ہوا کہ گورنمنٹ کو اصلی مضرت قوانین اور ضوابط کے جو جاری ہوئے، بخوبی معلوم نہیں ہو سکے...... بلکہ بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ رعایا کو منشا اور اصلی مطلب اور دلی ارادہ

---

[1] اسباب سرکشی ہندوستان۔ صفحہ ۱۰

گورنمنٹ کو معلوم نہ ہوا۔ گورنمنٹ کی ہر تجویز پہ رعایا کو غلط فہمی ہوئی۔ جو تجویز گورنمنٹ
کی ہوتی تھی ہندوستانیوں کو یہ سبب اس کے کہ وہ لوگ اس میں شریک نہ تھے
اور رہنما اور علم اس تجویز سے واقف نہ تھے اس کی بنیاد معلوم نہ ہوئی اور ہمیشہ
یہی سمجھے کہ یہ بات بگی ہمارے اور ہمارے ہم وطنوں کے خراب اور برباد اور ذلیل
اور بے دھرم کرنے کو ہے ...... اور جب کہ ہماری گورنمنٹ درحقیقت ایسی نہ
تھی تو ان غلط خیالات کا ہندوستانیوں کے دل میں جمنا اور جو رنج کہ ان کے دل پر تھا
اس کا علاج نہ ہونا صرف اسی سبب سے تھا کہ لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانی شریک نہ تھے۔" ؎۱

چند سال بعد بغاوت کی تلخیوں کے اثرات ذرا کم ہوئے تو ۱۸۶۴ء میں سرسید نے ایک مجلس میں یہ پیشین گوئی
کرتے ہوئے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ " وہ دن کچھ دور نہیں ہے کہ ہر ضلع میں سے ایک شخص کا کونسل میں داخل
ضرور ہو گا۔ وہ دن آئے گا کہ تم خود ہی قانون بناؤ گے اور خود ہی اس پر عمل کرو گے۔" ؎۲ پھر انہوں نے عوام
اور سرکار میں رابطہ کے کام کی خود ہی ابتدا کی۔ کونسل کے باہر سے گورنمنٹ کے کانوں تک رعایا کی آواز
پہنچانے کے لیے ۱۸۶۶ء میں ایک تنظیم "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم کی۔ علی گڑھ میں منعقدہ
ایک اجلاس میں اس کی تجویز پیش کرتے ہوئے انہوں نے بڑی جرأت مندانہ لہجے میں کہا:۔

" میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری ان باتوں سے
ہمارے حکام ضلع جن کے ہاتھ میں ہماری جان اور مال اور عزت ہے ہم سے ناراض
ہو جائیں، گورنمنٹ ہم کو برا اور غیر مطیع نہ سمجھنے لگے اور کہیں گورنمنٹ کے نزدیک
ہم مجرم نہ ٹھہریں مگر یہ سب تمہاری غلطی اور خام خیالی ہے ...... تم کیوں اتنا ڈرتے
ہو؟ تم مجھ پر خیال کرو کہ میں بھی مثل تمہارے گورنمنٹ کی ایک ادنیٰ رعیت میں سے
ہوں، بلکہ مجھ پر ایک اور زیادہ اطاعت گورنمنٹ کا بوجھ ہے کہ میں نوکر بھی گورنمنٹ
کا ہوں مگر دیکھو! اس عام مجلس میں کیسی اعلانیہ گفتگو کر رہا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ
ایام مفسدہ میں گورنمنٹ نے میرا خوب امتحان کر لیا ہے کہ میں کیسا گورنمنٹ کا
خیر خواہ ہوں۔" ؎۳

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امتحانِ اطاعت و خیر خواہی میں سرسید کی کامیابی اور سرخروئی ہی دراصل

؎۱ اسباب سرکشی ہندوستان صد ... ؎۲ مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید صد ۱۸

ان کی اس اعلانیہ دلیری کا سبب تھا ورنہ کسی سرکاری ملازم کو کیسے جرأت ہو سکتی تھی کہ کھلے بندوں غلام رعایا کو وقت کی عظیم ترین طاقت انگریز حاکموں سے نہ ڈرنے کا مشورہ دے سکے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی پرخلوص خدمات کے صلے میں وہ دو نسلوں تک کے لئے دو سو روپیہ ماہوار پنشن کے حقدار قرار پا چکے تھے۔ لبرل انگریز افسروں کا ایک با اثر طبقہ، جس کی حفاظت سرسید نے اپنی جان کو داؤ پر لگا کر کی تھی، انہیں کسی قسم کی گزند پہنچنے سے محفوظ رکھنے کا نہ صرف ذمہ دار تھا بلکہ ہندوستان میں بہتر طور پر انگریزی حکومت قائم رکھنے کے طریق کار سے متعلق سرسید درحقیقت اسی طبقہ کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سرسید نے ایک بہت بڑے لبرل کے انداز میں عوام کو ڈر اور خوف کو بالائے طاق رکھ کر اپنے حقوق کی جدوجہد کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم کو اس عام مجلس میں سمجھاتا ہوں کہ تم اپنے بے ہودہ خیالات اور اوہام کا مطلق ڈر مت کرو۔ گورنمنٹ کی طرف سے نیک دل رہو اور اس پر سب طرح کا بھروسہ رکھو اور بے دھڑک اپنی تمام اغراض اور اپنی تمام ناراضیوں کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرو۔ اور اپنے حقوق پر گورنمنٹ سے بخوبی بے دھڑک ہو کر جھگڑو کہ یہ باتیں عین خیر خواہی اپنی گورنمنٹ کی ہیں۔"[1]

بالآخر وہ وقت بھی آیا جب ان کا کونسل میں شرکت کا خواب پورا ہوا۔ ۱۸۷۸ء میں اول وائسرائے لارڈ لٹن نے اور بعد ازاں وائسرائے لارڈ رپن نے سرسید کو لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ انہوں نے چار سال تک اپنے فرائض بڑی محنت اور جاں فشانی سے انجام دئے۔ اس سے ان کا سیاسی کیریئر مزید مستحکم ہوا۔

پھر ہندوستان میں ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جس میں اہل ہند کے سیاسی حقوق کی باتیں کھلے عام ہونے لگیں۔ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز مسٹر ہیوم نے "انڈین نیشنل کانگریس" کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلہ میں اس نے متعدد افراد سے رابطہ قائم کیا۔ مگر سرسید نے "جواب میں واضح طور پر لکھ دیا کہ میں اس کے خلاف ہوں۔"[2] کانگریس نے اپنے جلسوں میں ایسے مطالبات پیش کئے جن سے سرسید متفق نہ تھے۔ بلکہ وہ ان کے لئے سخت ناگواری کا باعث ہوئے۔ نوزائیدہ کانگریس میں اس وقت تک ایسے تعصبات کا مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا جس سے اس پر ہندو جماعت ہونے کا الزام عائد کیا جا سکتا۔ مگر چونکہ ملک میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اس لئے ظاہر ہے کہ ملکی سطح پر قائم کی جانے والی اس جماعت میں ہندو ارکان کی تعداد مسلمانوں کی

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید ص ۲۷۶، ۲۷۷ [2] پائنیر الہ آباد ۱۰ نومبر ۱۸۸۸ء بحوالہ سرسید احمد خان، سیاسی مطالعہ ص ۲۳۰

نسبت زیادہ تھی۔ آہستہ آہستہ کانگرس کے روز افزوں مطالبات سے سرسید کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگا تو انہوں نے پہلے ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ء کو لکھنؤ میں اور پھر ۱۶ مارچ ۱۸۸۸ء کو میرٹھ میں کانگرس کے خلاف ایسی زبردست تقریریں کیں جو فی الحقیقت کانگرس کے ایوانوں میں زلزلہ کا باعث ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ کانگرس کے خلاف پُر زور مہم شروع کر دی۔

سرسید نے مسلمانوں کو خاص طور پہ کانگرس سے الگ رہنے کا مشورہ دیا۔ کانگرس نے وائسرائے کی کونسل میں نامزدگی کی بجائے الیکشن کا طریقہ اپنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کی مخالفت کرتے ہوئے انہوں نے اسے مسلمانوں کے لئے بظاہر یوں ضرر رساں قرار دیا کہ "کوئی طریقہ بھی الیکشن کا اختیار کرو ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے چوگنی ہوگی اور جو ان کی خواہشیں ہیں۔ تمام پوری ہوں گی"[1] "مگر جب اس موضوع پر ان کے تمام خیالات کو مدنظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اصل دکھ اس بات پہ تھا کہ:۔

"جس طرح کہ نیشنل کانگرس کی کارروائی ہوتی ہے اور پولیٹیکل مباحثوں کے لئے جا بجا مجلسیں کی جاتی ہیں اور عام لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ گورنمنٹ رعایا کے واجبی حقوق ادا نہیں کرتی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نالائق اور جاہل آدمیوں کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت ظالم یا کم از کم نا منصف ہے"[2]

ہمارے دانشوروں کی ایک قابلِ ذکر صفت یہ ہے کہ وہ اس امر میں سرسید کے بیانات کے صرف ان حقوق کے حوالے پیش کرتے ہیں جن میں بظاہر مسلمانوں کی وکالت نظر آئے مگر بنیادی باتوں کا ذکر گول کر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں سرسید انگریزوں کی اطاعت و فرماں برداری کے معاملے میں اس قدر حساس ہو گئے تھے کہ ان کی حکومت کے خلاف کسی قسم کی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ کانگرس کے خلاف ان کی تحریک میں یہ جذبہ پوری شدت کے ساتھ کارفرما نظر آتا ہے ورنہ مسٹر ہیوم کو نہایت تعجب سے یہ کہنا پڑتا کہ "مجھ کو نیشنل کانگرس کا خیال صرف سید احمد کی کتاب "اسباب بغاوت" کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا مگر میں نہیں جانتا کہ اب اس کو کیا ہو گیا"[3]

اس کش مکش میں سرسید لفظ کانگرس سے ہی بددل ہو گئے۔ کہ انہوں نے بعد میں ایک موقع پر اپنی تعلیمی مجلس محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے نام میں لفظ "کانگرس" اس بنیاد پہ "کانفرنس" سے بدل دیا کہ ان کی اس مجلس تعلیمی کو "کسی قسم کے پولیٹیکل امور سے علاقہ نہیں"[4]

۱؎ دی پریزیڈنٹ سٹیٹ آف انڈین پالٹکس ص ۱۱۔ ۲؎ ایضاً ص ۶۲ ۳؎ حیات جاوید حصہ دوم ص ۲۴۹ ۴؎ مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید ص ۴۵۸۔

عبرت کی بات ہے کہ وہ شخص جو پچیس سال قبل رعایا کو اپنے حقوق پر حکومت سے بے دھڑک ہو کر جھگڑنے اور اس بارے میں حکمرانوں کی ناراضگی کے اوہام کو دل میں نہ لانے کی تلقین کرتا تھا اب وہ سن ستاون کی مثالیں دے دے کر انہیں اسی حکومت کی قوت اور ناراضگی سے ڈرانے لگا۔ کانگرس کے مطالبات یا درخواستوں کا ذکر کرتے ہوئے سر سید نے کہا:-

"نتیجہ ان ناشدنی اور ناممکن درخواستوں کا بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایک بے ہودہ بات سے تمام لوگوں کے دلوں کو گورنمنٹ سے ناراض کریں اور تمام لوگوں کو یقین دلائیں کہ گورنمنٹ ہم پر ظالمانہ حکومت کرتی ہے۔ اور ہم گورنمنٹ سے جو کچھ مانگتے ہیں نہیں دیتی اور اس سے لوگوں میں ناراضی اور جوش پھیلائیں اور ملک میں بدامنی ہو....... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ غدر میں کیا حالت تھی؟ نہایت مشکل وقت تھا، اس کی فوج بگڑ گئی تھی۔ چند بدمعاش ساتھ ہو گئے تھے اور گورنمنٹ نے اپنی غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ رعایا باغی ہے۔ اور میں وہ شخص ہوں کہ جس نے گورنمنٹ کی اس غلطی کا مقابلہ کیا اور اس وقت، جب گورنمنٹ کے اہل کار پھانسیاں دیتے تھے، میں نے رسالہ چھاپا اور گورنمنٹ سے کہا کہ رعایا کو باغی سمجھنا بالکل نادانی ہے۔ لیکن باایں ہمہ گورنمنٹ کا بغاوت نے کیا کر لیا؟ ایک گورا ولایت سے ہندوستان میں قدم نہیں رکھنے پایا تھا کہ اس سرے سے اس سرے تک صاف ہو گیا اور امن ہو گیا۔ پس کیا اس سے فائدہ ملک کا متصور ہے اور کیا کوئی انقلاب ہم سلطنت میں پیدا کر سکتے ہیں بجز بے ہودہ غل کرنے کے۔ اور گورنمنٹ کے مشکوک کرنے کے اور جو صفائی ہوتی جاتی ہے اس کو مکدر کرنے کے، اور اس وقت کو جواب سے تیس انتیس برس پیشتر تھا پھر لانے کے؟ ...... لوگ آئرلینڈ کی مثال دیتے ہیں.... ذرا مجھ کو بھی مہربانی سے ہندوستان میں دس آدمی نکال دیجئے جو سنگینوں کے سامنے آنا قبول کریں۔ جب یہ نہیں ہے تو کیسا یہ غل ہے[1]۔"

"انصاف کرو کہ گورنمنٹ کی عملداری کو کے دن ہوئے؟ اور وہ صدمہ جو گورنمنٹ کو پہنچا، گو جاہلوں سے تھا اور رئیسوں سے نہ تھا، اس کو بتلایئے کہ کے دن ہوئے[2]۔"

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز سر سید ص ۳۵۴، ۳۵۵ [2] ایضاً ص ۳۵۸

"غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا، مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے مگر مسلمان اور مسلمانوں کے خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔ یہی نتیجہ پولیٹیکل ایجی ٹیشن میں مسلمانوں کے شریک ہونے سے حاصل ہوگا۔"[1]

کانگرس کے خلاف اپنی مشہور تقریروں میں سرسید نے ہندوؤں کی تعدادی اکثریت کے حوالے سے مسلمانوں کے لئے الیکشن کو جس طرح نقصان دہ بتایا وہ جواز بلاشبہ بڑا متاثر کرنے والا تھا۔ مگر جس چیز پر انہوں نے بنیادی طور پر زور دیا وہ انگریزی حکومت کے حق میں ان کا فلسفۂ اطاعت و فرماں برداری تھا۔ بلکہ ان کی تقریروں کا بیشتر حصہ اسی ذکر سے معمور ہے۔ صرف میرٹھ کی تقریر سے درج ذیل حوالہ جات ان کی کوششوں کا اصل پس منظر اجاگر کرتے ہیں:

"...... لازم آتا ہے کہ ہندوستان کے امن کے لئے اور ملک میں ہر چیز کی ترقی کے لئے انگلش گورنمنٹ کا بہت دنوں تک بلکہ ہمیشہ کے لئے، رہنا ضرور ہے ...... تم دنیا کی کسی تاریخ میں بتا سکتے ہو کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک غیر قوم کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد اس ملک پر حکومت کرتی ہو اور مفتوح ملک والوں کو ریپریزنٹیٹو گورنمنٹ دی گئی ہو؟ کبھی ایسا نہیں ہوا، بلکہ جس نے ہم کو فتح کیا ہے اس کو ہم اپنی حکومت کا قائم رکھنا ضرور ہے۔"[2]

انگریزوں نے ہندوستان کو اور اس کے ساتھ ہم کو فتح کر لیا ہے اور جس طرح ہم (مسلمانوں) نے اس ملک کو تابع دار یا غلام بنایا تھا اسی طرح انہوں نے ہم کو بھی تابع دار یا غلام بنا لیا ہے۔ پھر کیا یہ اصول سلطنت کے مطابق ہے کہ وہ ہم سے پوچھیں کہ ہم برہما جا کر لڑیں یا نہ لڑیں؟ ایسا کبھی ہوا ہے؟ اور سلطنت کا کوئی اصول اس کے موافق ہے؟"[3]

"جب یہ امر طے ہو گیا کہ ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ کی حکومت ضرور ہے تو ہندوستان کے لئے یہی مفید ہے کہ اس کی حکومت نہایت استحکام سے ہندوستان میں قائم رہے۔ اور گورنمنٹ کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ اپنے استحکام کے لئے جس قدر مناسب سمجھے فوج رکھے۔"[4]

"تم اس قوم کے ساتھ ناانصافی نہ کرو جو تم پر حکومت کرتی ہے اور پھر اس کے ساتھ غور

---

[1] دی پریذیڈنٹ سیٹ آف انڈین پالیٹکس ص ۶۲ [2] مکمل مجموعہ لکچرز سرسید ص ۳۶۷ [3] ایضاً ص ۳۶۸ [4] ایضاً ص ۳۷۰

کرو کہ وہ کس ایمانداری سے حکومت کرتی ہے جس خوبی سے انگلش گورنمنٹ نے غیر قوم پر حکومت کی ہے دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تم دیکھتے ہو کہ قانون نے کس قدر آزادی دی ہے اور کس قدر حقوق کی حفاظت کی ہے۔" [1]

"قرآن شریف ہماری ہدایت کے لئے موجود ہے جس نے ہم کو اُن کا اور ان کو ہمارا دوست بنایا ہے۔ اب خدا نے اُن کو ہم پر حاکم کیا ہے۔ پس ہم ان سے دوستی کریں اور وہ طریقے اختیار کریں جس میں ان کی حکومت کو ہندوستان میں استقلال اور استحکام رہے اور بنگالیوں کے ہاتھ میں نہ جائے۔ یہی ہماری دوستی ہمارے عیسائی حاکموں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ ہم کو گڑھے میں دھکیلنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ شریک نہ ہوں ...... ہم کو جو کچھ اپنی بھلائی کی توقع ہے وہ انگریزوں سے ہے۔ بنگالی ہماری قوم کے لئے کچھ بھلائی نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید بھی انہی سے دوستی کی ہدایت کرتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان کے دوست اور وفادار نہ ہوں بلکہ ہم کو لازم ہے کہ جو کچھ خدا نے کہا ہے ہم اس کی تعمیل کریں اس کے علاوہ خدا نے اُن کو ہم پر حاکم مقرر کیا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم پر حبشی غلام حاکم ہو تو اس کی بھی اطاعت کرو۔ دیکھو، اس وقت ایک یورپین مسٹر بیک مجلس میں موجود ہیں وہ تو کالے نہیں ہیں بہت گورے ہیں۔ تو ہم ان گورے منہ والوں کو، جن کو خدا نے ہم پر حاکم کیا ہے کیوں نہ اطاعت اور وفاداری کریں اور خدا کا حکم بجا لائیں۔" [2]

"تمہارے اوپر ان کو خدا نے حاکم کر دیا ہے، یہ خدا کی مرضی ہے ہمیں خدا کی مرضی پر شاکر رہنا اور خدا کے حکم کی اطاعت کر کے ان کا دوست اور وفادار رہنا چاہیئے، نہ یہ کہ ان پر بے جا الزامات لگائیں اور دشمنی پیدا کریں۔ یہ نہ عقلمندی کا کام ہے اور نہ ہمارے پاک مذہب کی ہدایت ہے۔" [3]

مندرجہ بالا حوالہ جات سرسید کے اس ذہن کی عکاسی کرتے ہیں جو مسلمانوں کی بھلائی کے نام پر کانگرس کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مسلم لیگ ان کی زندگی میں قائم ہو کر

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید ص ۳۰۲ [2] ایضاً ص ۳۰۴ [3] ایضاً ۳۰۵

رعایا کے حقوق اور آزادی کا مطالبہ کرتی تو وہ انہی جوازات کی روشنی میں اسی شدت کے ساتھ مطالبہ پاکستان کی مخالفت کرتے ۔ مزید برآں اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہوتی تو بھی ان کا نقطہ نظر یہی ہوتا ۔ کیونکہ مکمل آزادی تو بہت دور کی بات ہے وہ غلام قوم کو نمائندہ حکومت دینے کے اصول کے ہی مخالف تھے ۔ اس کے علاوہ اپنے سابقہ خیالات کے برعکس اسے نہ صرف قانون سازی اور رائے دینے کی حقدار سمجھنے سے گریزاں ہو چکے تھے بلکہ حکومت سے شکوہ شکایت کو خدا کی حکم عدولی کے زمرے میں شمار کرنے لگتے تھے ۔

کیا کانگرس کی مخالفت میں سرسید کی تحریک کا مقصد مسلمانوں کو ہندو قوم سے الگ رکھ کر اپنے طور پر جدوجہد کرنا تھا ؟ سرسید کے عملی اقدامات اس کی واضح تردید کرتے ہیں ۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت "انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" کا قیام ہے ۔ جس کی بنیاد انہوں نے محض کانگرس کی مخالفت میں ہندوؤں سے مل کر رکھی ۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سورخہ ۸ اگست ۱۸۸۸ء کو پایونیر الہ آباد میں جو اعلان شائع کروایا اس کی چند سطور ملاحظہ ہوں ۔

> "مناسب ہے کہ ہندو اور مسلمان جو کانگرس کے خلاف ہیں ان کی ایک ایسوسی ایشن بنائی جائے ۔ اس کا نام انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن ہو ...... ہندو مسلمانوں کے علاوہ اگر کوئی انگریز ایسوسی ایشن کا رکن بننا چاہے تو ہم اس کی اعانت کے ممنون ہوں گے .... رکنیت کے خواہاں اصحاب اپنے نام یا تو منشی امتیاز علی یا منشی نول کشور لکھنؤ یا راجہ شیو پرشاد بنارس یا سید ظہور حسین وکیل ہائیکورٹ الہ آباد یا مسٹر تھیوڈور بیک یا راقم کے نام علی گڑھ بھیج دیں[1]"

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جہاں کانگرس کی بنیاد ایک انگریز نے رکھی وہاں ایک انگریز ہی اس کے خلاف تحریک کا روح رواں تھا ۔ اپنے دوست کرنل گراہم کے نام ایک مکتوب میں سرسید لکھتے ہیں ۔

> "میں نے نام نہاد کانگرس کے خلاف ایک بھاری کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اور انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی ہے جس کا کام دوسرے تمام کاموں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے اور مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ مسٹر بیک اس معاملے میں میری بہت زیادہ معاونت کرتے ہیں ۔ وگرنہ ہمارے لئے اس کام آگے بڑھانا

---

[1] رائٹنگز اینڈ سپیچز آف سرسید احمد خان صہ ۲۴۵ ،

نہ صرف انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہوتا۔" ؎۱

دراصل ہندوستان میں موجود انگریز اپنے ملک کی مانند مختلف مکاتیب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ مسٹر ہیوم لبرل خیالات کے حامل تھے جب کہ علی گڑھ کالج کے پرنسپل مسٹر بیک کا تعلق قدامت پسند (کنزرویٹو) طبقے سے تھا، لہٰذا ہم قوم ہونے کے باوجود ان کا فکری اختلاف ایک فدرتی امر تھا۔ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے کانگرس کی مؤثر مخالفت سرسید کے اپنے الفاظ میں مسٹر بیک کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ بعد ازاں ایسوسی ایشن کو مزید وسعت دی گئی اور سرسید نے مندرجہ ذیل اعلامیہ جاری کیا۔

"ہندوستان کی تمام اقوام — سکھ، ہندو اور مسلمانوں کے ذی اثر اور ذی مقتدر حضرات انڈین نیشنل کانگرس کے حامیوں کے اغراض ومقاصد کے مخالف ہیں اور ایسوسی ایشن بہ معروف انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس کے نام میں "یونائیٹڈ" کا اضافہ کر دیا جائے تاکہ اس سے واضح ہو کہ یہ ایسوسی ایشن ہندوستان کی تمام قوموں کے ارکان کے متحدہ عمل سے تشکیل دی گئی ہے۔" ؎۲

ان واضح اعلان کے باوجود سرسید نے اپنی بعض تحریروں کے ذریعہ اپنی قوم میں اسے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی جماعت ہونے کا تاثر دیا۔ وہ جامع مسجد دہلی کے امام سید محمد بخاری کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء میں لکھتے ہیں:۔

"جو ایسوسی برخلاف ہندوؤں کے ہم نے قائم کی ہے۔ اور اس میں تمہارا شریک ہونا نہایت ضرور اور مناسب ہے...... تم خود جناب مولوی نذیر حسین صاحب کے پاس جاؤ اور میری طرف سے بعد سلام علیک یہ پیغام دو کہ مسلمانوں کی دینی بھلائی کو تو بلاشبہ جناب ممدوح مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں مگر مسلمانوں کی دنیوی بھلائی کو جناب ممدوح سے میں بہت زیادہ بہتر سمجھتا ہوں اور بہ نظر مسلمانوں کی بھلائی کے میں ضرور اور مناسب سمجھتا ہوں کہ جناب ممدوح کا نام نامی اس ایسوسی ایشن کے ممبروں میں داخل کیا جائے۔" ؎۳

؎۱ دی لائف اینڈ ورک آف سرسید احمد خان ص ۲۷۳

؎۲ رائٹنگز اینڈ سپیچز آف سرسید احمد خان ص ۱۰۹

اس دوران میں سرسید کی تحریک پر ملک کے بہت سے شہروں میں انجمن ہائے اسلامیہ قائم ہوئیں۔ سرسید نے ایسوسی ایشن کی جانب سے اسلامی انجمنوں کو ایک سرکلر جاری کیا جس میں کانگرس کے اغراض و مقاصد سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان سے اپیل کی کہ جو انجمن ایسوسی ایشن کے مقاصد سے متفق ہو وہ ان سے رابطہ قائم کرے تاکہ "اس انجمن کا نام ہم اپنی ایسوسی ایشن کی اس فہرست میں مندرج کریں جس میں بتایا جائے گا کہ کس قدر انجمن ہائے اسلامی ہمارے ساتھ متفق ہیں اور انڈین نیشنل کانگرس کے خلاف ہیں۔"[۱] اس طرح بھی ہندوستان کی تمام اقوام پر مشتمل ایسوسی ایشن کو خاص مسلمانوں کی تنظیم ہونے کا تاثر دیا گیا۔

ردعمل کے طور پر دوسرا فریق بھی سرگرم عمل ہوا۔ اور اس نے ان کاوشوں کی مدافعتی تدابیر کے طور پر مذہبی فتاوی کا سہارا لیا۔ سرسید اور ان کے معتقدین عامۃ المسلمین کے عقائد سے اختلاف کی بنا پر "نیچری" مشہور تھے۔ سرسید ملائکہ، شیطان اور اجنہ کے وجود کے قائل نہیں تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے پر یقین نہیں رکھتے تھے اور انبیا کرام کے منسوب معجزات سے انکاری تھے۔ بقول الطاف حسین حالی "حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدھا بن جانا۔ فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔ خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا۔ پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالہ سامری کا بولنا۔ ابر کا سایہ کرنا من و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا۔ خلق طیر، اندھوں اور کوڑیوں کو چنگا کرنا۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔ مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے۔ وہ غالباً کسی مفسر نے نہیں لکھا۔"[۲]

اپنی تفسیر القرآن میں سرسید نے آیات قرآنی کو ایسے معانی پہنائے جو ان کے بعض معروف دوستوں اور حامیوں کے لئے بھی ناقابل قبول تھے۔ یہاں تک کہ ان کی تعلیمی تحریک کے ایک عظیم ساتھی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کو یہ کہنا پڑا کہ:۔

> "مجھ کو ان کے معتقدات بالسرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خان صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر دیوان حافظ کی ان شرح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چونڈول سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سید احمد خان صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کئے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے)، قرآن کے

---

[۱] مکتوبات سرسید حصہ دوم صہ ۴۰۶ [۲] حیات جاوید، حصہ دوم صہ ۲۶۵

"منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کا ماننا مشکل ...... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریلِ حاملِ وحی کا، نہ رسولِ خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا"[1]

سیاسی لوگ اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لیے سوجھ بوجھ کے ساتھ ایسے طریق کا استعمال کرتے ہیں جو ان کے مقاصد میں معاون ثابت ہوں۔ مسلمانوں کی بھلائی کے نام پر کانگرس کے خلاف سرسید کی تحریک کے توڑ کے لئے انہوں نے اس انداز میں استفتاء تیار کروائے کہ ان میں سرسید کے دینی افکار و کردار کا تذکرہ اور اس کے مقابلے میں حکومت سے حقوق و مراعات طلب کرنے والی جماعت کانگرس سے تعاون کا رنگ جھلکتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں :-

"ایک جماعت قومی مسمّی بہ نیشنل کانگرس جو ہندو اور مسلمان وغیرہ سکنائے ہند کے واسطے رفع تکالیف و جلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی ہے اور ان کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہی امور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مؤثر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کی جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو یا خلافِ سرکار ہو تو ایسی جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟"[2]

سینکڑوں علماء نے ان استفتاء کے جواب میں مہریں کیں اور انہیں یک جا کر کے ایک رسالہ "نصرت الابرار" کے نام سے شائع کیا گیا۔ مولوی عبدالعزیز لدھیانوی نے لکھا کہ : "ہنود سے معاملہ کرنا و کانگرس میں شریک ہونا بشرط عدم نقصان جائز ہے لیکن سید احمد نیچری کی ایسوسی ایشن میں ملنا بالکل حرام ہے۔"[3] مولوی رشید احمد گنگوہی نے تحریر کیا کہ "سید احمد سے تعلق رکھنا نہیں چاہیے اگرچہ وہ خیر خواہی قومی کا نام لیتا ہے یا واقع میں خیر خواہ ہو مگر اس کی شرکت مآل کار اسلام و مسلمان کو سمِّ قاتل ہے۔ ایسا میٹھا زہر پلاتا ہے کہ آدمی ہرگز نہیں بچتا۔ پس اس کے شریک مت ہونا اور ہنود سے شرکت معاملہ کر لینا۔ اور اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی کوئی خلافِ شرع امر لازم آتا ہو یا مسلمانوں کی ذلت یا اہانت یا ترقی ہنود ہوتی ہو وہ کام بھی حرام ہے۔"[4] مولوی محمود حسن مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند نے تحریر کیا کہ "ہنود سے معاملہ کرنے میں حکم شرعی یہ ہے کہ بشرط عدم مخالفت و مضرت دینی جائز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ فرقہ نیچریہ کے بارے میں جو کہ منکر نصوص قرآنی و احادیث نبوی و اجماع امت ہے۔ جو کچھ علمائے امت نے ارشاد فرمایا ہے وہ امر حق موافق کتاب و سنت ہے۔"[5]

---

[1] موعظہ حسنہ ص ۱۷۵ - [2] نصرت الابرار ص ۱۳ [3] ایضاً ص ۱۴/۱۵ [4] ایضاً ص ۱ [5] ایضاً ص ۱۹

اسی قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں مولوی محمد عبدالحق مصنف تفسیر حقانی نے مہر تصدیق ثبت کی " [1]
مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ذمیوں کے احکام کا ذکر کرنے کے بعد لکھا۔

"ہنود زمانہ عند التحقیق ان سب احکام کے مستحق ہیں بخصوصاً اس معاملہ میں انہیں شریک کرنا جس میں رفاہ عام و نفع انام وحفظ حقوق و مراعات مخلوق ہو کہ اس میں خاص اہل کا فائدہ نہیں بلکہ اپنا اور تمام اہل وطن کا نفع ہے جب کہ مسلمانوں کے اہل تدبیر و رائے منیر بہ نظر غامض و باریک بین و انجام شناس و وقت گزیں خوب تنقیح تام کر لیں۔ کہ اس سے حالاً یا مآلاً اسلام و مسلمین پر کوئی عائد نہیں۔ یہ شرط کہ فقیر نے ذکر کی ضرور قابل لحاظ رہے۔ رہے حضرات نیچریہ...... ہندو کی بات کھلی مخالفت کی بات ہے کہ ہر جاہل سا جاہل اس کے کفر پر مطلع اور اسے اپنے مذہب سے جدا جانتا ہے۔ یہ حضرات کہ بظاہر کلمہ پڑھتے اور زبانی دعوی اسلام رکھتے بلکہ اپنے ہی آپ کو سچا پکا مسلمان وخیر خواہ مومنین و ایمان بتلاتے ہیں دام درسبزہ و مار آستین ہیں۔ ان کا زہر آکود افسوں سیفہ بدبخت پر جلد چلتا اور انجام کار ہلاک کر دیتا ہے" [2]

انہی دنوں سرسید کانگریس کی مخالفت میں مہاراجہ بنارس کی زیر سرپرستی قائم ہونے والی ایک تنظیم "انڈین لائل ایسوسی ایشن" کے رکن بنے بلکہ راجہ شیو پرشاد نے انہیں اس کا آنریری سیکرٹری بھی مقرر کیا [3] مگر انہوں نے بعد میں اس بنا پر اپنا استعفیٰ پیش کر دیا کہ "میرے ہاتھ میں اس قدر کام ہیں کہ امکان سے خارج تھا کہ میں اسی نئی ایسوسی ایشن کے سیکرٹری ہونے کا بوجھ اٹھا سکتا" [4] اور پھر اپنی کثیر الاقوام پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے کام میں منہمک ہو گئے۔

مندرجہ بالا بحث سے انصاف پسند قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا سرسید نے کانگریس کے خلاف اپنی تحریک خاص مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر جاری کی یا ان کا واحد مقصد انگریزی حکومت کی خیر خواہی و وفاداری کے جذبات کو فروغ دے کر ان کی سلطنت کو استحکام بخشنا تھا۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سرسید ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت دائمی طور پر قائم رہنے کی خواہش کا برملا اظہار کرتے تھے اور اسی تمنا کی بر آوری کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ مگر ہمارے آج کے دانش ور حقائق کو چھپا کر اور ان کے بعض الفاظ کو فلسفیانہ معانی پہنا کر تاریخ کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں۔ دراصل ہمارے ہاں تحقیقی مواد کا زبردست

---

[1] نصرت الابرار صہ ۲۶ [2] ایضاً صہ ۳۰، ۳۲ [3] مکاتیب سرسید احمد خان صہ ۴۳ [4] ایضاً صہ ۷۶

قحط اور تحقیقی مزاج کی شدید کمی ہے لہذا سادہ لوح عوام بہت جلد تطہیر ذہنی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جب عالم یہ ہو کہ مصنفین، مقالہ نگاروں، نقادوں، صحافیوں اور اساتذہ کا ایک بہت بڑا گروہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ایک مخصوص لابی کی اس مہم میں تن من دھن سے شریک ہو تو ابتدائے درس سے ہی اس پروپیگنڈے کے زیر اثر ماحول میں پرورش پانے والے غیر معمولی ذہین طلبہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ قارئین کے لئے بھی حقائق کو قبول کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔

کتابیات

۱۔ اسباب سرکشی ہندوستان (سید احمد) مطبوعہ مفصلائٹ پریس آگرہ - ۱۸۵۹ء

۲۔ حیات جاوید (الطاف حسین حالی) مطبوعہ نامی پریس کان پور - ۱۹۰۱ء

۳۔ دی پریزیڈنٹ سٹیٹ آف انڈین پالیٹکس مطبوعہ پاینیر پریس الہ آباد ۱۸۸۸ء

۴۔ دی لائف اینڈ ورک آف سرسید احمد خان (جی گراہم) مطبوعہ ہوڈر اینڈ سٹیفنٹن لندن ۱۹۰۹ء

۵۔ رائٹنگز اینڈ سپیچز آف سرسید احمد خان مطبوعہ نچیکیتا پبلی کیشنز۔ بمبئی ۱۹۷۲ء

۶۔ سرسید احمد خان - سیاسی مطالعہ (عتیق صدیقی) مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۷ء

۷۔ مکاتیب سرسید احمد خان۔ مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۶ء

۸۔ مکتوبات سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء

۹۔ مکتوبات سرسید، جلد دوم، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۶ء

۱۰۔ مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء

۱۱۔ موعظۂ حسنہ (ڈپٹی نذیر احمد دہلوی) مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۸۹۰ء

۱۲۔ نصرۃ الابرار (مولوی عبدالعزیز لدھیانوی) مطبوعہ مطبع صحافی لاہور ۱۸۸۸ء

ملکی صنعت قوم کی خدمت ہے
قومی خدمت ایک عبادت ہے

سروس انڈسٹریز

اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے سال ہا سال سے
اس خدمت میں مصروف ہے

Servis

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

مولانا محمد اقبال مانچسٹر

شیطانک ورسز

برطانوی قانون اور ردِ عمل

برطانیہ میں آزادی تقریر و تحریر کا نرالا فلسفہ

رشدی اخلاقی مذہبی اور قانونی اعتبار سے واجب القتل ہے

گذشتہ دنوں میں شیطانک ورسز اور اس کے بدبخت مصنف سلمان رشدی کے خلاف ہم نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔ اس کی وجہ عالم اسلام کا اشتعال اور رشدی کو واجب القتل قرار دینا ہے۔ برطانوی حکومت کے ساتھ یورپی ممالک نے مسلمانوں کے اس اعلان کی شدید مذمت کی۔

مسلمانوں کے اس اشتعال اور اعلان پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سخت کشیدگی پائی جا رہی ہے برطانوی ذرائع ابلاغ اور اخبارات نے دل کھول کر اس موضوع کو سرفہرست رکھا اور تبصرہ شروع کر دیا۔ حکومت کے ساتھ ساتھ اخبارات نے بھی مسلمانوں کے اس اعلان کو اپنے ملک میں مداخلت قرار دے کر برطانوی عوام میں ایک خاص قسم کا ذہن پیدا کر دیا۔ بعض اخبارات نے اس موضوع کو اچھال کر اہلِ اسلام کے خلاف مضامین اور تبصرے شائع کئے۔ تبصرہ نگاروں میں ان نام نہاد مسلمانوں کو سرفہرست رکھا گیا جن کی فکریں آزاد اور جن کے خیالات مغربی تہذیب سے درآمد ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا انداز بیان وہی بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگا۔ جو کسی غیر مسلم مبصر کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان نام نہاد مفکروں نے اس گستاخانہ ناول کو تحریری آرٹ دے کر پُرزور حمایت کی اور اظہار رائے کی آزادی کے حق میں ووٹ دے کر کھلے لفظوں میں اس ناول کی اشاعت کو اس کا جائز حق بتایا۔ بعض لوگوں نے ریڈیو انٹرویو کے درمیان اس بات کی وضاحت کی کہ اس اعلان کا تعلق صرف شیعیت کے ساتھ ہے اور پوری دنیا میں شیعہ مذہب صرف ۱۲ فیصدی ہے۔ سنّی مسلمانوں کا اس اعلان سے کوئی تعلق نہیں۔ کچھ دانشوروں نے اسے مذہبی تشدد پسندی قرار دے کر عالمِ اسلام کے متفقہ موقف کی مخالفت کے ساتھ علماء کرام اور مسلمانانِ برطانیہ کے مطالبہ پر کڑی نکتہ چینی کی۔ علاوہ ازیں فرانس میں کچھ روشن خیال عرب

الحق

اور فرانسیسی ادیبوں نے سلمان رشدی اور اس کی گستاخانہ کتاب کے حق میں باقاعدہ مظاہرے بھی کئے
غرضیکہ جس طرف نظر اٹھائیے یہی باتیں نظر آئیں گی۔ ٹی وی اور اخباروں کے مبصروں نے مختلف لوگوں سے انٹرویو
لئے اور اس کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس موضوع پر اتحاد نہیں بلکہ تضاد بیانیاں
ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی اجتماعیت میں رخنہ پڑگیا اور معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔

برطانیہ کے بعض اخبارات خصوصاً نیشنل فرنٹ گروہ کو یہ سنہری موقع مل گیا۔ اعلان نے اس موضوع
کو اس قدر حاشیہ آرائی کے ساتھ عام کیا کہ مقامی باشندوں کو مسلمانوں کی مخالفت پر اکسا دیا جائے اور
مسلمانوں کو متشدد، تخریب کار، دہشت گرد، جنونی قرار دے کر نسلی منافرت اور کشیدگی کی فضا پیدا کر
دی جائے۔ اس گمراہ کن پروپیگنڈہ نے مقامی باشندوں کو حقیقت یہ ہے کہ بہت زیادہ متاثر کر دیا ہے۔
مسلمانوں کے دفاتر اور مساجد اور دیگر تنظیموں کو فون اور خطوط کے ذریعے ڈرایا اور دھمکایا جا رہا ہے
مانچسٹر کے ایک علاقے میں مسلمانوں کے گھروں میں گمنام خطوط ارسال کئے گئے جس میں رشدی کی مخالفت
ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا۔

بریڈ فورڈ کے اسلامی دفاتر پر حملے کی خبریں اور پھر لندن کی سب سے بڑی ریجنٹ پارک مسجد پر پٹرول
بم کے ذریعہ حملہ (۲۲ فروری) اور دیگر دھمکی آمیز فون اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ برطانوی
مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے پوری تیاری کے سازشوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔

برطانوی حکومت اور برطانوی عوام نے بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ اہلِ اسلام کے مطالبہ کو مسترد کر دیا
جائے۔ یورپی ممالک کے ارکان بھی اس کے حامی ہیں اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ برطانیہ
ایک آزاد ملک ہے۔ یہاں آزادیٔ تقریر و تحریر معاشرہ کا ایک حصہ اور قانون ہے اس پر کسی کی مداخلت
یا پابندی قابلِ قبول نہیں۔ بس جسے دیکھئے آزادیٔ تحریر کے گیت گا رہا ہے لیکن کسی نے آج تک ٹھنڈے دل
سے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ آخر اس کتاب میں وہ کونسی توہین اور گستاخی ہے جس نے اہلِ اسلام کو
مساجد اور گھروں سے سڑکوں پر لا کھڑا کر دیا اور برطانیہ کے در و دیوار ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
کے تحفظ کے اعلان سے گونج اٹھے ہیں۔ آخر کوئی بات تو ہے جس کی وجہ سے یہ اضطراب اور بے چینی پائی جا
رہی ہے۔ افسوس کہ اس جانب کسی نے توجہ نہ کی۔

ا۔ ہم نے مانا کہ یہ ملک آزاد ہے۔ یہاں آزادیٔ تقریر و تحریر کی فضا ہے لیکن اس آزادی کا یہ مطلب تو نہیں
کہ کسی کی ماں بہن پر کھلے عام تبرا کیا جائے۔ کسی کو گالی دے۔ کسی کا گریبان پکڑا جائے۔ کسی کے مذہب پر
گندگی اچھالی جائے۔ کسی کے خلاف بدگوئی و بدزبانی اور سب و شتم کا مظاہرہ کیا جائے۔ اگر اس کا نام آزادی

ہے تو یہ لفظ آزادی کی سخت توہین ہے اس کا نام آزادی نہیں بے شرمی اور گندہ ذہنی ہے جسے کوئی شریف انسان برداشت نہیں کرتا۔

۲- آزادی تقریر و تحریر کا قانون اپنی جگہ مسلّم۔ لیکن کسی کی توہین و گستاخی اور ہتک عزت جرم ہے یا نہیں۔ کیا اس کا کوئی قانون نہیں؟ کیا برطانیہ کی عدالتوں میں توہین عزت کے مقدمات نہیں آتے؟ کیا ہتک عزت کے خلاف جرمانہ عائد نہیں کیا جاتا؟ خود غور فرمائیے برطانیہ میں ایک نہیں ہزاروں مقدمات طے پا چکے ہیں جن میں عدالتوں نے ہتک عزت پر باقاعدہ سمن جاری کئے جس کی توہین و گستاخی کی گئی اسے ہزاروں کی رقم دینے کا فیصلہ سنایا گیا۔ اور آزادی تقریر و تحریر کے سہارے اس قسم کے مجرم کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑا۔ آج کی تازہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیے۔

فلم پروڈیوسر اور ڈائرکٹر مسٹر مچل ونر نے اخبارات کے خلاف ہرجانہ اور مقدمہ کا خرچہ لندن میں جیت لیا ہے مسٹر مچل کے خلاف ایک سال قبل نیوز آف دی ورلڈ نے ایک گندہ مضمون شائع کیا تھا۔ مسٹر مچل نے ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر کے عدالت سے اس مقدمہ کو جیت لیا کیونکہ اخبارات نے ان کے خلاف غلط بیانی کی تھی۔

(مانچسٹر ایوننگ نیوز ۲۳ فروری ۸۹ء)

اسی طرح کرس کینٹ نے اخبار سن اور نیوز آف دی ورلڈ کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کر دیا۔ جو بآسانی جیت لیا گیا۔ کیونکہ کرس کے خلاف الزامات سارے غلط تھے۔ اخبارات کی کونسل نے معافی مانگنے کے ساتھ مقدمہ کا خرچہ اور ہرجانہ بھی ادا کیا (دیکھئے سن ۲۱ فروری)

ملاحظہ فرمائیے۔ اگر اس اخبار نویس کو آزادی تحریر کی اجازت تھی تو پھر اس پر کیوں مقدمہ دائر کیا گیا۔ عدالت نے کیوں جرمانہ دینے کا فیصلہ سنایا۔ وجہ یہ ہے کہ آزادی تحریر کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی پگڑی اچھالی جائے۔ اور خواہ مخواہ کسی کی اہانت و تذلیل کی جائے۔ بلکہ بلاوجہ کسی کی توہین قابل مواخذہ جرم ہے۔ اس فیصلہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں جہاں آزادی تقریر و تحریر کی اجازت ہے تو اس قید کے ساتھ کہ دوسرے کی توہین و تذلیل قانوناً جرم اور قابل مواخذہ ہے۔

اب گستاخانہ ناول کے صرف ایک ہی رخ پر اصرار کرتے رہنا کہ یہ ناول آزادی تقریر و تحریر کے ضمن میں ہے اور دوسرے رخ سے یکسر صرف نظر کر دینا انصاف کے نام پر بے انصافی، آزادی کے نام پر انارکی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا اس کتاب میں توہین و گستاخی پر مشتمل کوئی عبارت نہیں؟ کیا سب و شتم کا برملا اظہار نہیں؟ پھر گستاخی بھی ایرے غیرے کی نہیں۔ ایک ایسی مقدس و محترم ہستی کی جس کی شرافت پر آسمانوں

کے معصوم فرشتوں کو بھی ناز ہے جس کی عفت و عصمت کا اعتراف اہلِ اسلام ہی نہیں اعدائے اسلام بھی کر چکے ہیں۔ جن کی پاکیزہ زندگی پر غیر مسلموں کی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ جن کے ماننے والے اور جنہیں اپنے اہل وعیال، عزیز واقارب بلکہ کل کائنات کو ان پر قربان کر دینے والے ایک دو نہیں ارب ہا ارب کی تعداد میں پورے عالم میں پھیلے ہوتے ہیں۔ اگر اہلِ اسلام نے اس انتہائی گستاخی و توہین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے برطانوی عدالتوں اور حکومت سے انصاف کا مطالبہ کیا تو آخر کونسا جرم کیا؟ کیا گستاخی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا جرم ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اہلِ اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنا حکومت برطانیہ کی قانونی ذمہ داری بھی ہے اور اخلاقی ذمہ داری بھی۔

۳۔ اگر حکومت برطانیہ "آزادی تقریر و تحریر" پر ہی اصرار کرتی رہے تو انہیں اس کا جواب دینا ہوگا کہ جب متحدہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے خلاف علماء کرام اور عوام نے تقریریں کیں۔ کتابیں لکھیں۔ آزادی کے لئے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آخر انہیں درختوں پر کیوں لٹکایا گیا؟ کیوں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا؟ آزادی تحریر و تقریر کے ان متوالوں کو آخر کس جرم میں سزا کے شکنجے میں کسا؟ اس وقت بھی یہی قانون تھا۔ تو پھر اس قانون کا گلا کس لئے گھونٹا گیا؟ اگر اس وقت اس آزادی تقریر و تحریر کا گلا اس لئے گھونٹا گیا تھا کہ اس سے برطانوی اقتدار کی توہین و گستاخی ہو رہی ہے تو پھر خدا را انصاف فرمائیے کہ اس توہین اور انتہائی گستاخی کو کس لئے آزادی تقریر و تحریر کا عنوان دیا جا رہا ہے، کیا اسی کا نام انصاف ہے؟

عجیب بات ہے کہ جب مسئلہ اپنی ذات کا آجائے تو یہی آزادی تقریر و تحریر جرم ہو جاتی ہے اور جب مسئلہ دوسرے فریق کا بن جائے تو یہی عنوان انصاف قرار پاتا ہے فیا للعجب

۴۔ بعض دانشوروں نے اس کتاب میں انتہائی گستاخانہ جملوں کا اعتراف تو ضرور کیا لیکن آزادی تقریر و تحریر کا سہارا لے کر اسی لکیر کے فقیر بنے رہے۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس کتاب میں جتنے گستاخانہ جملے ہیں۔ اگر وہاں سے ان ناموں کو ہٹا کر اس کی جگہ ملکہ برطانیہ ان کے شوہر، ان کی صاحبزادی ان کی بہو ان کے عزیز و اقارب کے نام لکھ دیئے جائیں۔ سٹی آف جاہلیہ لندن اور نیویارک کو قرار دیا جانے حرامی کا لفظ سر جیفری ہاؤ کے لئے لکھا جائے (وغیر ذالک) تو انصاف سے فرمائیے اس وقت آپ کا ردِ عمل ہوگا؟ کیا آپ اس کو برداشت کریں گے؟ کیا اس وقت آپ کی غیرت اس بات کو گوارا کرے گی؟ اس کتاب کی عام اشاعت کی جائے۔ اس وقت اگر آپ پابندی لگانا چاہیں اور دوسرے لوگ اسے آزادی تقریر و تحریر کا عنوان دے کر آپ کے خلاف محاذ بنا لیں تو کیا آپ گوارا کر لیں گے۔ چلئے ملکہ نہ سہی

وزیراعظم نہ سہی آپ کے والدین کے بارے میں ہی یہ رویہ اختیار کرلیا جائے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟
ہم سمجھتے ہیں کہ اگر آپ میں ذرہ بھر بھی غیرت وحمیت ہوگی تو آپ اس کتاب کے خلاف سخت سے
سخت اقدام کرنے سے گریز نہ کریں گے۔ اس لکھنے والے کو یا تو دماغی مریض قرار دے کر پاگل خانے بھیجنے
اور اس کا معائنہ کرنے کی ہدایت کریں گے۔ یا پھر اس گستاخ کو قانون کے شکنجے میں کس دیں گے۔ کہ اس
بے ادب اور گستاخ نے اس دریدہ وہنی وگستاخی کا مظاہرہ کرکے ملکہ یا وزیر۔ یا میرے والدین کو بلاوجہ
استخفاف واہانت کا ہدف بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کا قانون یہ نہیں کہے گا کہ آزادی تقریر و
تحریر کا مطالب ملکہ برطانیہ کو حرامی کہنا ہے۔ کسی محترم کو شیطان کے نام سے پکارنا ہے۔ بس اتنی بات کو ہم
سمجھنا چاہتے ہیں کہ آزادی تقریر وتحریر کا قانون اپنی جگہ مسلّم۔ لیکن جب کسی محترم ومعظم شخصیت پر اس
بے شرمی سے گندگی اچھالی جائے تو اس کا نام سراسر زیادتی وظلم ہوگا۔ اور قانون وانصاف کی رو سے اسے
قابل مواخذہ جرم سمجھا جائے گا۔

۵۔ آزادیٔ تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی تو ضروری ہے کہ جارح کون ہے؟ کس نے دوسرے پر
حملہ کیا؟ کس نے کس کی عزت پر حملہ کیا؟ برطانوی قانون میں یہ شق بھی تو موجود ہے کہ جارح مجرم ہے اور
اس کے خلاف ہر ممکن ذرائع ووسائل اختیار کرنا انسانی فریضہ ہے۔ مثال کے طور پر گذشتہ چند سالوں میں
روس جیسی سپر طاقت نے افغانستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا۔ تو مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ نے
اس جارحیت کے خلاف سخت قدم اٹھایا۔ جارح کو برا بھلا کہا۔ بلکہ جارح کے خلاف قراردادیں پاس کرنے
میں پیش پیش رہا۔ یہی نہیں بلکہ برطانیہ نے ہزاروں پونڈ سے افغان مجاہدوں کی حمایت کی۔ انہیں ہتھیاروں سے
لیس کیا۔ انہیں تمام ذرائع ووسائل مہیا کئے۔ ان کی بھرپور حمایت کی۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ روس جارح
تھا۔ اس نے کسی کا دل دکھایا تھا تو حکومت برطانیہ سے برداشت نہ ہوسکا۔ لیکن جب یہی مسئلہ خود ان
کے ملک میں پیش آتا ہے تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ کہ جارح (رشدی) کو نہ صرف حمایت کا یقین دلایا
جاتا ہے بلکہ اس کے بچاؤ کے لئے ہر ممکن ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ روزانہ ہزاروں کا خرچ برداشت کرنا
اپنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یورپی ممالک کے ارکان کو جارح کی حمایت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے کس
قدر افسوس کی بات ہے کہ روس تو جارح ٹھہرا کیونکہ ان کے مفادات پر ضرب پڑتی اور رشدی جارح نہیں
اس لئے کہ ان کے مفادات اس سے وابستہ تھے۔ خیال فرمائیے جارح کے موضوع پر ذہنیت میں کتنا فرق
واقع ہورہا ہے۔

ہم یہی بتانا چاہتے ہیں کہ جارح کے خلاف آپ کا جو قانون ہے۔ وہی قانون رشدی پر لاگو ہونا چاہئے

کیوں کہ وہ جارح ہے اس نے جارحیت کا مظاہرہ کیا ہے اور ہزاروں نہیں کروڑوں مسلمانوں کے قلوب زخمی
کئے ہیں۔

ہماری ان ساری گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ شیطانک ورسز اور اس کا بدبخت مصنف برطانوی
قانون کے اعتبار سے بھی مجرم ہے اور ہم قانون کی روشنی میں ہی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مجرم کو سزا دی
جائے اور قانون کو حرکت میں لایا جائے۔ یہی مطالبہ مسلمانان برطانیہ بار بار کر رہے ہیں جسے پورا کرنا برطانوی
حکومت کا قانونی فریضہ ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ایک دعویٰ ہے کہ برطانیہ ملحد اور کمیونسٹ ملک نہیں۔ انہیں اعتراف ہے کہ یہ ملک
ایک مذہبی (عیسائی) ملک ہے یہاں کی ملکہ عیسائی فرقے کی ایک مذہبی راہ نما بھی ہیں اگر واقعتہً یہ دعویٰ
حقیقت پر مبنی ہے تو پھر مذہبی اعتبار سے اس موضوع کا حل آسان ہے اس کتاب میں اہل اسلام خصوصاً
پیغمبر اسلام کی سخت توہین وگستاخی کی گئی ہے۔ انتہائی گندے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اگر مذہبی نقطہ
نظر سے اس موضوع کو دیکھا جائے تو بھی بدبخت رشدی مجرم کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ لیکن انتہائی
افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس موضوع نے برطانوی دعویٰ کا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ یہاں یہ بات
صاف واضح ہو جاتی ہے کہ اس ملک میں مذہب نام کی کوئی چیز نہیں۔ مذہب کی قدر و قیمت نہیں۔ ان
میں الحاد اور بے مذہبی سرایت کر چکی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس گستاخانہ ناول کو مذہب کے بجائے سیاست
کی نذر کر دیا گیا۔ حالاں کہ یہ موضوع سیاسی نہ تھا ایک خالص دینی و مذہبی تھا۔ اگر مذہبی اعتبار سے
موجودہ حکومت بغور جائزہ لے تو انہیں یقیناً اہل اسلام کا مطالبہ معقول نظر آئے گا۔ کسی قسم کی کوئی
الجھن باقی نہ رہے گی۔ لیکن حیف در حیف کہ اس خالص دینی موضوع کو سیاسی بنا کر اہل اسلام کو مجرم
قرار دیا گیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔

۷۔ جہاں تک نفس مسئلہ قتل کا تعلق ہے شریعت اسلامیہ نے اصول بیان کرتے ہوئے اس کی اجازت دے
رکھی ہے۔ قرآن کریم میں۔ احادیث پاک میں یہ مضامین صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ خود سرور دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی پیغمبر کی توہین اور سب وشتم کا ارتکاب کرے اس کی سزا قتل
ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں مرتد پر اسلامی سزا نافذ کی گئی۔ اور شاتمان رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حکم سنایا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

علامہ قاضی عیاض نے "الشفاء" اور علامہ ابن تیمیہ نے "الصارم المسلول" میں پوری تفصیل کے ساتھ
اس موضوع پر کلام فرمایا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ارتداد اور

گستاخ رسول کے لئے ایک قانون بنایا ہے اور یہ قانون رہتی دنیا تک رہے گا اس میں ترمیم یا تنسیخ کا دعوٰی کرنا اسلام سے ہاتھ دھونا ہے۔ رشدی چونکہ مسلمان ہونے کا مدعی ہے اور اس دعوٰی کے ساتھ گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین ارتکاب کیا ہے اس لئے وہ اسلامی نقطہ نظر سے مرتد اور سزائے قتل کا مستحق ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حکم اور قانون صرف شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم ہی کا نہیں بلکہ بائبل نے بھی یہی سزا تجویز کر رکھی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قاضی اور کاہن کی گستاخی پر بھی بائبل نے قتل کا فتوٰی صادر کیا ہے غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

> شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں اس کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتوٰی وہ دیں اس سے دائیں یا بائیں نہ مڑنا اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لئے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہنا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل سے ایسی برائی کو دور کر دینا اور سب لوگ ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔

(استثناء باب ۱۷ع ۱۱ تا ۱۳ ص ۱۸۳)

مطلب یہ ہے کہ تورات کے معلم کی بات کا انکار اور ان کے فتوے سے انحراف کرنے والا گستاخ اور واجب القتل ہے اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا دور کرنا از حد ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو خون خوار اور ظالم قرار دینے والے ذرا اپنی کتاب مقدس کی طرف نظر کریں اور مذہبی حیثیت سے اس موضوع کو دیکھیں تو انہیں شریعت اسلام پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا گیا کہ ان کے نزدیک مذہب کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ کتاب استثناء کے بارے میں یہودی اور عیسائی دونوں فریق کے علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ کتاب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف اور آپ کا بیان کردہ قانون ہے جس طرح یہودیوں کو ان احکامات پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح عیسائی قوموں کو بھی ان احکامات پر عمل کرنا واجب ہے اب دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

۳۔ اگر آج کی یہ مغربی اور آزاد خیال قومیں یہی اعتراض کرتی پھرتی ہیں کہ اسلام کے قوانین بڑے سخت اور تشدد پر مبنی ہیں۔ خون خرابے کے احکام ان میں موجود ہیں۔ آزادی کے دشمن ہیں۔ تو ہم بصد ادب یہ

الحق

گذارش کرتے ہیں کہ دوسروں کی آنکھوں میں تنکا دکھانے والے اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نہیں دیکھتے - ہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ بائبل نے جو سزائیں تجویز کیں ہیں ان کے پیش نظر اسلامی قانون پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا - ہم تفصیل میں جائے بغیر چند سزائیں درج ذیل کرتے ہیں -

۱- غیر اللہ کی عبادت پر سزائے قتل (دیکھئے خروج باب ۲۲ء ۲۰، استثناء باب ۱۳ء ۶ تا ۱۰)
۲- ماں باپ پر لعنت کرنے والے کو سزائے قتل (دیکھئے خروج باب ۲۱ء ۱۵)
۳- نافرمان بیٹا قتل کا مستوجب (دیکھئے استثناء باب ۲۱ء ۱۸)
۴- اغوا کرنے والے کو قتل کرو (دیکھئے خروج باب ۲۱ء ۱۵، استثناء باب ۲۴ء ۷)
۵- سوتیلی ماں بہو سے زنا کرنے والے قابل گردن زدنی (دیکھئے احبار باب ۲۰ء ۱۱)
۶- لوطی کی سزا قتل (دیکھئے احبار باب ۲۰ء ۱۳)
۷- بیوی اور ساس کو اکٹھا رکھنے والا مستحق قتل (دیکھئے احبار باب ۲۰ء ۱۴)
۸- بہن کو بے شرم کرنے والا قابل گردن زدنی (دیکھئے احبار باب ۲۰ء ۱۷)
۹- زانی اور زانیہ لاکو قتل (دیکھئے احبار باب ۲۰ء ۱۰- استثناء باب ۲۲ء ۲۲)
۱۰- جھوٹا نبی قتل کیا جائے (دیکھئے استثناء باب ۱۳ء ۵ باب ۱۸ء ۲۰)
۱۱- ایک موقع پر پہاڑ چھونے والا قتل کیا جائے (دیکھئے خروج باب ۱۹ء ۱۲)

غور فرمائیے بائبل کی سزائیں کس القاب کی مستحق ہیں - اسلامی قوانین کو وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دینے والے بائبل کی تجویز کردہ سزاؤں کو کس کھاتے میں ڈالیں گے -

الغرض گذشتہ سطور سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ شیطانک ورسز اور اس کا بدبخت مصنف رشدی مذہب اور قانون دونوں کی روشنی میں مجرم ہے - اور مجرم کے ساتھ اس انداز میں پیش آنا (جیسا کہ ہو رہا ہے) مجرم اور جرم دونوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جس کا انجام بالآخر افسوسناک ہی ہوگا -

حکومت برطانیہ سے گذارش ہے کہ اہل اسلام نے جس بات کا مطالبہ کیا ہے وہ عقلاً و نقلاً صحیح ہے - ہم نے پہلے پیار و محبت کے ساتھ اس موضوع کا حل مانگا - مگر مسترد کر دیا گیا - احتجاجی جلسوں اور مظاہرہ سے حکومت برطانیہ کو اپنے رنج و غم کا اظہار کیا - اہل اسلام نے انفرادی و اجتماعی طور پر خطوط بھیجے لیکن ہر مرتبہ انکار کا جواب ملتا رہا - اور یوں اہل اسلام کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی - ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ موضوع کوئی نیا نہیں ماضی میں بھی ایسا ہوتا آیا ہے - اہل اسلام ہر بار کی مؤثر پیر کامیاب ہوئے ہیں انشاء اللہ اس مرتبہ بھی خدائی قوت و نصرت ہمارے شامل حال ہوگی - حق کا جھنڈا بالآخر اونچا ہوگا +

مکتوب پیرس — از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

قرآن مجید میں عجائبات نباتی

کل شام الحق کا ذی الحجہ نمبر پہنچا۔ ممنون بھی ہوا اور مستفید بھی۔ اس میں "قرآن حکیم اور علم نباتات" کو خاص دلچسپی سے پڑھا۔ ظاہر ہے کہ کسی رسالے کے ایک مختصر مضمون میں ساری متعلقہ چیزیں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اجازت ہو تو ادب کے ساتھ صرف ایک چیز کی طرف عرض اشارہ کروں (حکم ہو آئندہ ان شاء اللہ تفصیل بھی مہیا کر سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ قرآن مجید میں ایک نادر نباتی ذکر ہے جس کو فاضل مقالہ نگار چاہتے تو مجھ سے زیادہ بہتر بیان فرما سکتے۔

وہ یہ کہ سورہ یٰس کے اواخر میں ایک آیت ہے :۔

"الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارًا فاذا انتم منہ توقدون۔

جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ کا انتظام کیا پھر تم اس سے چولھے سلگاتے ہو

یہاں سوکھی لکڑی نہیں بلکہ ہری ٹہنیوں کا ذکر ہے۔ ہمارے پرانے مفسر شروع ہی سے یہ بیان کرتے آئے ہیں کہ اس سے مراد مرخ اور عفار نامی درخت ہیں جن کے رگڑنے سے چقماق کی طرح چنگاریاں نکلتی ہیں جن کو آتش گیر چیز کی مدد سے آگ بنا لیتے ہیں۔

اس کی بہت زیادہ تفصیل کتاب النبات للدینوری میں کئی جگہ ہے چنانچہ اس کی قسم قاموس ابجدی میں لفظ عفار اور لفظ مرخ کے تحت بھی اور اس کی جلد سوم میں "باب الزناد" میں۔ اس سلسلے میں پرانے عرب شاعروں کے کلام میں بھی دلچسپ چیزیں ملتی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ کے بیانات میں بھی۔

اس سال یورپ اور کینیڈا میں جنگلوں میں آگ لگنے سے بڑے نقصان ہوئے ہیں۔ دینوری نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعض درختوں سے گوند نکل کر خشک ہو جاتا ہے اور جب اس پر سورج کی شعاعیں گرتی ہیں آئینے کی طرح اس سے بھی آگ سلگ جاتی ہے اور سارا جنگل اس سے جل جاتا ہے۔

چند سال قبل سعودی حکومت نے مجھے ریاض وغیرہ میں کچھ لکچر دینے کی دعوت سے سرفراز فرمایا اور وزیر تعلیم (تعلیم) کے امین عام (سکرٹری) کو دفور نوازش سے میرا سفر میں رہنما مقرر فرمایا۔ ان کا نام تھا شیخ حمد۔ میں نے ان سے شجر اخضر اور مرخ و عفار کا ذکر کیا تو کہا دریافت کرکے بتاؤں گا۔ پھر ایک دو دن بعد کہا کہ یہ صحیح ہے۔ اور بدویوں میں اس کا اب بھی رواج ہے اور متعدد دیگر جنگلی درخت بھی تاحال وہی کام لیا جاتا ہے۔

اپنی جہاز راں کمپنی
پی این ایس سی
کے
جہاز
سے مال بھیجیے
بروقت - محفوظ - باکفایت
پی۔این۔ایس۔سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے
قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل
برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔
پی۔این۔ایس۔سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل
جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے
پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ
PNSC

بزرگ صحافی جناب عبدالکریم صاحب صابر
چیف ایڈیٹر "مخلص" ڈیرہ اسمٰعیل خان

"لاریب شخصیت وہ عجیب و جلیل تھی"

(شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے حضور منظوم خراجِ عقیدت و قطعہ تاریخ)

لاتقنطوا من رحمۃ اللہ
١٤٠٩ھ

واصل بحق جو ہو گئے مولانا ذی وقار
اس حادثہ سے ہو گیا ہر شخص بیقرار

ہر ایک اہل دل نظر آتا ہے غمزدہ
سب طالبانِ علم کی آنکھیں ہیں اشکبار

جن کی وفات واقعی عالم کی ہے وفات
خود ہے قضا کو ہونا پڑا آج شرمسار

علم حدیث و فقہ کو جس نے دیا فروغ
ہر شعبۂ علوم و عمل میں تھے کامگار

اک شہنشاہِ علم زمانہ چلا گیا
افسوس چل بسا ہے وہ اک فخر روزگار

نایاب دُرِ شرح بخاری وہ لٹ گئے
حق نے جو ان کے سینے میں رکھے تھے بے شمار

تاریخ حشر تک انہیں کرتی رہے گی یاد
یاد آئیں گے وہ اہل عقیدت کو بار بار

لاریب شخصیت وہ عظیم و جلیل تھی
وہ مخزنِ علوم تھا قدرت کا شاہکار

تا حشر قبر اس کی ہو معمور نور سے
تا حشر اس پہ رحمتیں نازل ہوں بے شمار

حق نے اُسے ہے زندۂ جاوید کر دیا
ناپائیدار زیست پہ ہے کس کو اعتبار

محسوس کرتا سارا زمانہ ہے المیہ
برداشت کون کر سکے صدمہ یہ ناگوار

جس نے علوم کے تھے خزینے لٹا دیئے
حاصل کہاں سے ہوں گے وہ درہائے تابدار

و دستِ اجل کے خار سے افسوس حیف آج
"یا ہم ادا و زہد کا دامن ہے تار تار"
١٤٠٩

صابر صدا یہ آتی ہے فردوس سے عجیب
"باب حبیب مل جائے شیدائے انتظار"
١٩٨٨ء

عبدالقیوم حقانی
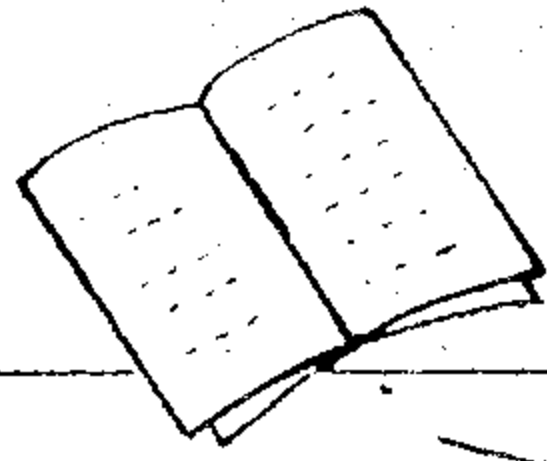
عثمان ذوالنورینؓ | تصنیف: مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ — صفحات: ۳۲۲ — قیمت -/۳۲ روپے
ناشر: مکتبہ رشیدیہ قاری منزل مرزا اسٹریٹ متصل پاکستان چوک کراچی

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کی علمی و تاریخی اور عظیم شخصیت علمی و دینی اور مطالعاتی اور تحقیقی ذوق رکھنے والے ارباب پر کسی طرح مخفی نہیں۔ مرحوم کے گرانقدر وقیع اور تحقیقی مقالات، جامع اور تاریخی تصنیفات بجائے خود علم و ہر کی ضمانت ہیں۔ "حضرت صدیق اکبرؓ" موصوف کا عظیم علمی اور تاریخی شاہکار ہے اردو زبان میں جس کی مثال نہیں سلسلۂ خلافت راشدہ کی برگزیدہ شخصیتوں میں اردو زبان اور ادبی معیار کی دوسری کتاب مولانا شبلی نعمانی کی "الفاروقؓ" ہے "عثمان ذوالنورینؓ" اسی سلسلۂ زرین کے تسلسل کا نقش ثالث ہے جو مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کے قلم سے ہے خدا کا شکر ہے کہ جرح و تعدیل، ریسرچ و تحقیق اور اردو ادب کے معیار کو ملحوظ رکھ کر داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے "المرتضیٰؓ" لکھ کر خلفاء راشدین کی تاریخ کی تکمیل کر دی ہے۔

بہرحال پیش نظر کتاب "عثمان ذوالنورینؓ" میں خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا نہایت مفصل اور مدلل تذکرہ، ذاتی حالات و سوانح، دینی و سیاسی اور اصلاحی کارنامے، خدمات جلیلہ کے علاوہ اس عہد کے فتنہ کے اسباب اور اس سلسلہ کے تمام واقعات اور حوادث پر نہایت جامع اور محققانہ گفتگو کر کے اعتدال اور مسلک حق کی توضیح و دلنشین انداز سے تشریح کر دی گئی ہے۔ مکتبہ رشیدیہ کے جناب قاری تنویر احمد صاحب نے کتاب بڑے عمدہ کاغذ، بہترین کتابت اور معیاری طباعت کے ساتھ اسے بہت ہی معقول اور ارزاں قیمت پر امت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ خدا کرے کہ اہل علم اور عامۃ المسلمین واقعۃً بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

موت کا جھٹکا | مرتبہ: سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ — صفحات ۲۷۶ — قیمت -/۲۲ روپے
ناشر: مکتبہ رشیدیہ قاری منزل مرزا اسٹریٹ متصل پاکستان چوک، کراچی

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ اپنے معروف ترجمۂ کلام پاک "کشف الرحمٰن" اور حیات مبارکہ میں وعظ اور اصلاح امت کے درد اور خیرخواہی امت کے پیش نظر علمی اور دینی حلقوں اور عامۃ المسلمین میں بیحد مقبول تھے مرحوم اصلاح انقلاب امت، غلبۂ دین اور ترویج شریعت کے لیے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ اس جذبہ نص

خیر خواہی کے پیشِ نظر مرحوم نے موت اور ما بعد الموت کے حالات اور واقعات سے متعلق صحیح روایات اور احادیثِ مبارکہ کے جمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا مگر ابھی پیش لفظ اور چند ابتدائی سطور ہی لکھنے پائے تھے کہ عازمِ اقلیمِ عدم ہو گئے۔ تاہم مرحوم کے جلیل القدر فرزند مولانا محمد سعیدؒ نے بڑی محنت، عرق ریزی اور حسنِ سلیقہ سے اس کتاب کی تکمیل کر دی اور کتاب کا انتساب بطور امتنان و احسان مندی اپنے والد صاحب کی طرف کر دیا۔ کتاب اہلِ علم اور تبلیغی احباب، خطباء، واعظین اور عامۃ المسلمین میں مقبول رہی ہے، کافی عرصہ سے نایاب تھی کہ اب مکتبہ رشیدیہ نے پھر سے اپنی شاندار روایات کو ملحوظ رکھ کر بہترین اور مثالی طباعت کے ساتھ بے حد ارزاں قیمت پر اہلِ اسلام کی خدمت میں پیش کر دی ہے اس کتاب کو جتنا بھی زیادہ پھیلایا جائے گا، مساجد اور تبلیغی حلقوں میں پڑھ کر سنایا جاتا رہے گا تو فکرِ آخرت کے اہتمام کی ترویج ہوتی رہے گی۔

ماہنامہ حق چار یار | زیرِ سرپرستی: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب ــــ مجلس ادارت: مولانا محمد طیب صاحب، جناب شبیر احمد نفیسی ــــ سالانہ چندہ: ۵۰/- روپے ــــ پتہ: ماہنامہ حق چار یار، مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور

رفض و بدعت اور عداوتِ صحابہؓ اس دور کا عظیم تر اور امتِ مسلمہ کیلئے خطرناک فتنہ ہے۔ ایرانی انقلاب اور خمینیت کی ترویج اور تعارف، عظمتِ صحابہؓ ہی کے خلاف ایک منظم انقلابی سازش ہے۔ ایسے حالات میں جتنا بھی عظمت اور دفاعِ صحابہؓ پر لکھا جائے کم ہے۔ الحمد للہ کہ اہلِ سنت میں بیداری اور فکرِ امت کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ پیشِ نظر رسالہ "حق چار یار" بھی اسی سلسلۂ زریں کی ایک کڑی ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ دفاعِ صحابہؓ کا علم لے کر نکلا ہے۔ مختلف فرقوں، طبقوں، جماعتوں اور نام نہاد مذہبی سکالروں کی طرف سے صحابہ کرامؓ پر خصوصاً خلفاء راشدینؓ پر جو زبانِ طعن دراز کی جا رہی ہے اُن کا دلائل و براہین سے رد کرنا اس رسالہ کے فرائض میں شامل ہے۔ یہ رسالہ تحریک خدام اہلسنت پاکستان کا ترجمان ہے اور اسے حضرت العلامہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کی سرپرستی اور راہنمائی حاصل ہے ــــ ہر شمارہ میں صحابہ کرامؓ اور اہلبیت عظامؓ کے سبق آموز واقعات اور پاکیزہ تعلیمات، مستند تاریخی حالات پر جامع مضامین اور اہلسنت کے خلاف ملکی اور عالمی سطح پر ہونے والی سازشوں کو وقیع تحریروں کے ساتھ بے نقاب کیا جاتا ہے اور آئے دن پیش آنے والے مسائل میں اہلسنت کی بھرپور ترجمانی کی جاتی ہے ــــ اداراتی تحریریں بھی حضرت قاضی صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ ترتیب و تزئین جناب شبیر احمد نفیسی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔

بہرحال اس پرچہ کے مطلع صحافت پر طلوع ہونا ایک قابلِ قدر اضافہ اور لائقِ صد تبریک اقدام ہے۔ ادارہ الحق معاصر "حق چار یار" کو خوش آمدید کہتا ہے اور اس عظیم جہاد کے شروع کرنے اور اس پر سرگرمِ عمل رہنے کی توقعات کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس رسالہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں دل کھول کر بھرپور حصہ لیں۔

محفوظ / قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
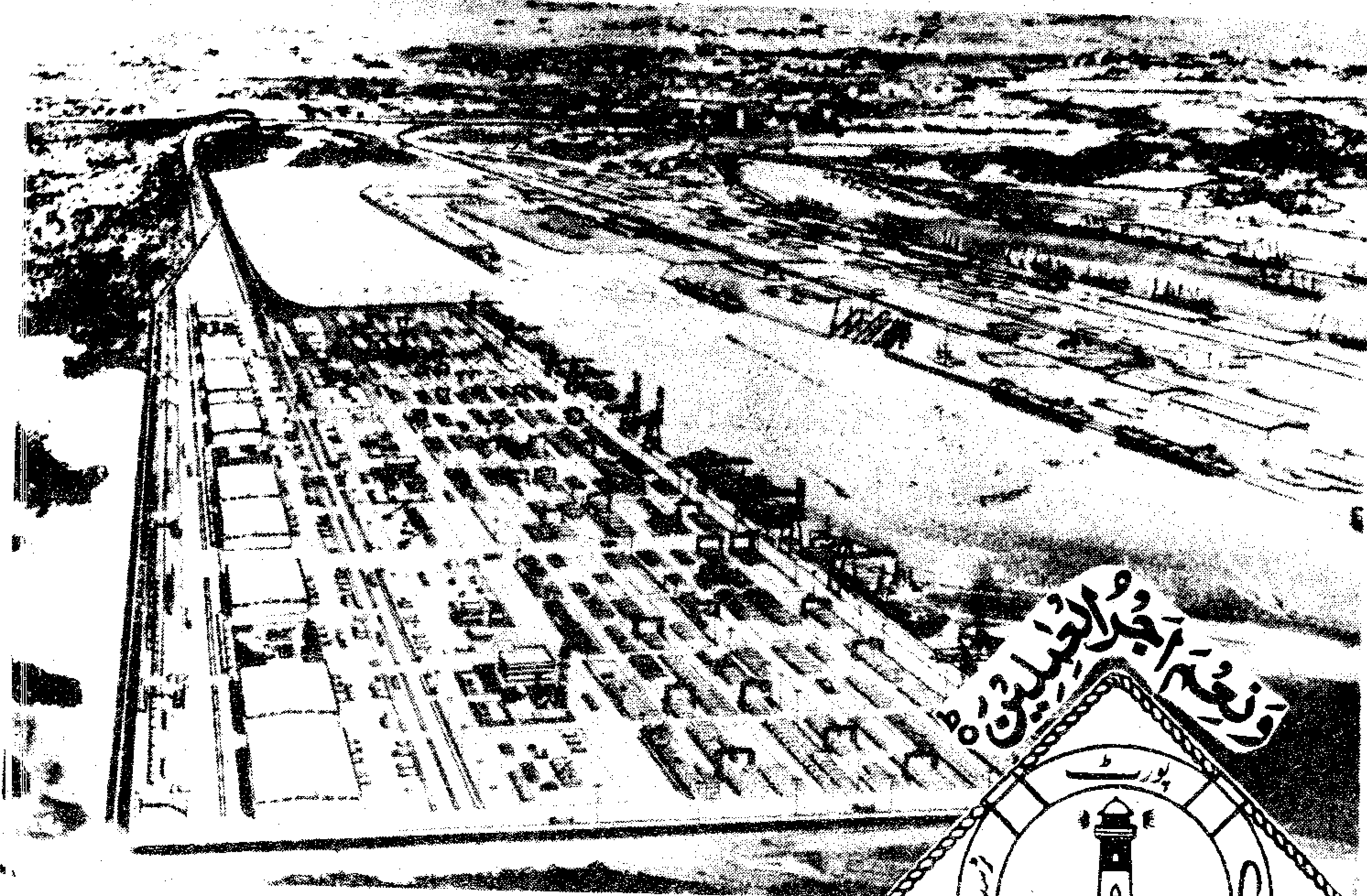
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں